دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلّہ

ماہنامہ

الحق

بیاد: شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ بانی دارالعلوم حقانیہ

مدیر مسئول: مولانا سمیع الحق

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

بانی الفرقان نمبر

بانی الفرقان حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ کی تاریخ ساز شخصیت کی

جیتی جاگتی تصویر

تقریباً ایک صدی کی سراپا جہد و عمل زندگی کی دستاویز

"شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نمبر"، "شاہ ولی اللہؒ نمبر" اور "مجدد الف ثانیؒ نمبر" جیسے

● تاریخ ساز نمبروں کے بعد ●

اس سلسلۂ زریں کی ایک نئی تاریخ ساز کڑی

انشاء اللہ جون ۱۹۹۸ء میں منظرِ عام پر آ رہی ہے،

صفحات اندازاً چھ سو۔ سائز ۲۰×۲۶/۸، اعلیٰ کمپوزنگ، بہترین کاغذ، شاندار طباعت

قیمت عام ایڈیشن مع محصول ڈاک ۱۵۰/- روپئے۔ قیمت اعلیٰ ایڈیشن مع محصول ڈاک ۲۰۰/- روپئے

خصوصی اعلان! اس نمبر سے الفرقان کی خریداری کے خواہشمند حضرات ۲۲۵/- روپئے ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور ارسال فرما کر منی آرڈر رسید ہمیں روانہ کریں۔ ناظم دارالفرقان

ہمارا پتہ: ماہنامہ الفرقان ۳۱/۱۱۴ نظیر آباد لکھنؤ-۱۸ انڈیا

اے بی سی آڈٹ بیورو سرکولیشن کی مصدقہ اشاعت

ماہنامہ الحق

اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ___ ۳۳
شمارہ ___ ۹
صفر المظفر ___ ۱۴۱۹ھ
جون ___ ۱۹۹۸ء

مدیر اعلیٰ: حضرت مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ
حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ
مدیر: حافظ راشد الحق سمیع حقانی

ناظم شفیق فاروقی

26 JUN 1998

اس شمارے کے مضامین

نقش آغاز ___ (ایٹمی دھماکہ ۔ عالم اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا آغاز ۔

متنازعہ کالاباغ ڈیم حساس قومی مسئلہ ، محسن پاکستان کی شخصیت کو متنازعہ نہ بنائیں ۔

مولانا محمد بنوریؒ کا سانحہ وفات ___ حافظ مولانا محمد ابراہیم فانی ___ ۲

رفتگان ۔ (محترمہ مرحومہ پھوپھیؒ کی یاد میں چند آنسو ___ حافظ راشد الحق سمیع حقانی ___ ۷

معارف قرآنیہ ___ (قسط نمبر ۲) ___ علامہ شمس الحق افغانیؒ ___ ۱۳

انبیاءؑ کا مشن اور علماء کی ذمہ داریاں اور عصر جدید ___ جناب مولانا شہاب الدین ندوی ___ ۲۵

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ایک شخصیت ___ جناب عبدالسلام صدیقی ___ ۳۲

نبویؐ اساسیات تعلیم ___ جناب ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم ___ ۳۹

علم زراعت میں مسلمانوں کی خدمات ___ ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی ___ ۴۴

جاوید غامدی کا علم میراث میں تجدیدی کارنامہ ___ جناب سید شیر احمد کاکاخیل ___ ۴۷

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں پر عالم اسلام کا اظہار مسرت ___ جناب طاہر محمود اشرفی ___ ۵۵

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو خراج عقیدت ___ مولانا محمد ابراہیم فانی ___ ۵۸

اراکان اور برما میں مسلمانوں کی حالت زار ___ جناب سیف اللہ خالد ___ ۵۹

قرب الٰہی کے دو راستے ۔ اور " قرب بالفرائض " کی فضیلت ___ مولانا منظور احمد نعمانیؒ ___ ۶۳

کمپیوٹر کمپوزنگ ۔ سجاد خان

ماہنامہ الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع نوشہرہ (سرحد) پاکستان ۔ فون :- 630435 ، 630340 - 09231

سالانہ بدل اشتراک اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ =/150 روپے ۔ بیرون ملک 20 $ امریکی ڈالر

پبلشر ۔ مولانا سمیع الحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک منظور عام پریس پشاور

نقش آغاز

حافظ محمد ابراہیم فانی

ایٹمی دھماکہ ۔ عالم اسلام کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز

جس دن قسطنطنیہ کا شہر فتح ہوا ۔ وہ تمام عالم اسلام کیلئے انتہائی خوشی اور مسرت کا دن تھا ۔ اور پوری ملت اسلامیہ میں جشن کا سا سماں تھا ۔ اس لئے کہ قسطنطنیہ عیسائیت اور عیسائیوں کا ہیڈکوارٹر تھا ۔ اور یہاں سے عیسائیوں کیطرف سے اسلام اور مسلمانوں کیخلاف سازشیں تیار کیجاتی تھیں ۔ خیرالقرون ہی سے اس پر کئی بار لشکرکشی کی گئی ، لیکن ہر بار مسلمانوں اور لشکر اسلام کو ناکام لوٹنا پڑتا تھا ۔ تاآنکہ سلطان محمد فاتح کے حصہ میں یہ سعادت آئی ۔ ان ہی کے دور خلافت میں یہ شہر اسلام کے زیرنگین آیا اور اسی عظیم الشان فتح کی بدولت آج تاریخ میں خلیفہ سلطان محمد، سلطان محمد فاتح کے نام سے زندہ ہے ۔ بالکل اسی طرح ۲۸ مئی کا دن تمام عالم اسلام کیلئے جشن ومسرت کا دن تھا ۔ اس لیے کہ اس دن وہ مبارک گھڑی اور مسرت افزاء ساعت آپہنچی تھی جس کے لئے دن گنے جاتے تھے ۔ اور یہی وہ دن تھا جس دن حکومت پاکستان نے ایٹمی تجربہ کرنے کا تاریخی فیصلہ کرکے مسلمانان پاکستان کی بالخصوص اور ملت اسلامیہ کی بالعموم دیرینہ آرزوئیں اور تمنائیں پوری کردیں ۔ گوکہ اس بات کا علم تمام اہل وطن کو تھا کہ پاکستان کے پاس ایٹمی ہتھیار موجود ہے لیکن اس ایٹمی تجربے سے اس کی تصدیق ہوگئی جس نے تمام عالم کفر کو ہلاکر رکھدیا ۔ الحمدللہ آج تمام عالم اسلام کا سرفخر سے بلند ہے اور ہر چہرے پر فرح وانبساط کے آثار بالکل نمایاں ہیں ۔ اس ایٹمی تجربے میں ہمیں اپنے "دشمن" کا بھی شکرگزار ہونا چاہئیے کہ جس نے ہمیں ایک ایسا زریں موقع فراہم کیا کہ اب وہ اپنی حماقت اور بے جا گھمنڈ وغرور پر کف افسوس مل رہا ہے ۔

ع عدو شرے برانگیزد کہ خیر مادراں باشد

۲۸ مئی ۱۹۹۸ء کو پاکستان نے بیک وقت پانچ دھماکے کرکے نہ صرف بھارت کا قرض چکادیا بلکہ ایٹمی میدان میں اس پر اپنی فوقیت اور تفوق بھی ثابت کردی ۔ اسی تاریخی دن سے عالم اسلام میں ایک نئے انقلاب کا آغاز ہوگا ۔ اور ملت اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ کیلئے یہ لمحہ ایک سنگ میل ثابت ہوگا اور انشاء اللہ پاکستان کے اس ایٹمی تجربہ کے دوررس ثمرات اوربرکات بہت جلد پاکستان اور عالم اسلام پر واضح ہوجائینگے ۔ سردست تو اس سے نہ صرف برصغیر اور جنوبی ایشیا میں طاقت کا توازن برابر ہوا بلکہ بھارتی ارباب بست وکشاد اور بی جے پی کے رہنماؤں کے "تیوروں" میں بھی تبدیلی آئی ۔ دھماکے کے بعد واجپائی نے جو بچگانہ انداز اختیار کیا اور ٹی وی پر بار بار نحوست

بھرے چہرے اور ایک شیطانی استہزاء کے ساتھ بڑی رعونت سے نمودار ہوا ۔ جس سے ہر پاکستانی کے دل کو جو ٹھیس پہنچی وہ ناقابل بیان ہے ۔ اس ایٹمی دھماکہ نے نہ صرف اس کی پیشانی کے بل نکالے بلکہ اب کے بار اس پر مایوسی اور بے لبسی کی پرچھائیاں نمایاں ہوئیں اور اب وہ عالم بیچارگی میں اپنے دوستوں اور ہمنواؤں کے ساتھ بیٹھا، اپنے زخموں کو چاٹ رہا ہے ۔

ع توبائے گل پکارے میں چلاؤں ہائے دل

پھر بہت ہی خوشی کی بات یہ ہے کہ اس ایٹمی تجربہ نے امریکی نیوورلڈ آرڈر کو ایک ہی " دھماکہ " سے تہس نہس اور تہ وبالا کردیا ۔ بقول اقبالؒ

؎ عشق کی اک جست نے طے کردیا قصہ تمام اس زمین وآسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

بھارت کی تشویش تو اس دھماکہ پر بجا لیکن امریکی صدر اور دیگر مغربی ممالک کا ردعمل عجیب ہیجانی کیفیت میں سامنے آیا اور ان " بیچاروں " کی حالت زار دیدنی تھی ۔ جن لوگوں نے ٹی وی پر صدر کلنٹن کو دیکھا اس کا حلق خشک ہوچکا تھا اور اس سے بات بھی نہیں بنتی تھی ۔ اب ہم بفضل خدا اس قابل ہیں کہ ان بزعم خویش سپرپاورز کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکیں ۔

ع وہ لائیں لشکر اغیار واعداء ہم بھی دیکھیں گے ۔

آج ملت کفریہ پر لرزہ طاری ہے اسرائیل اپنے " خون تمنا " پر نوحہ کناں ہے اور زبان حال سے گویا کہہ رہا ہے کہ ع مجھ سے یہ خون تمنا نہیں دیکھا جاتا ۔ عالم نصرانیت پر کپکپی کا عالم ہے اور ہنود حسرت بھری نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے ہیں ۔ الغرض ان کافروں، مشرکوں اور بے دینوں کے دل ودماغ پر اسلامی بم کا جو بھوت سوار تھا اس نے حقیقت کا روپ دھار لیا ہے ۔

ایٹمی دھماکہ کرنے کے بعد جو نام نہاد دانشور اقتصادی پابندیوں کا واویلا مچا رہے تھے ۔ ان کی بھی آنکھیں کھل گئیں، کہ پاکستانی قوم کس مزاج کی حامل ہے اور ان کے رگ وریشہ میں کیسا خون جاری وساری ہے ۔اس موقعہ پر پاکستانی قوم داد وتحسین اور مبارکباد کی مستحق ہے کہ انہوں نے بیک آواز متفقہ طور پر وزیراعظم کو ایٹمی دھماکہ کرنے پر مجبور کیا اور آنے والے خطرات سے بے نیاز ہوکر قوم نے ایٹمی دھماکہ کرنے کی " کال " دی ۔

؎ کچھ سمجھ کر ہی ہوا ہوں موج دریا کا حریف ورنہ میں بھی جانتا ہوں عافیت ساحل میں ہے

اب وقت آپہنچا ہے کہ ہم غلامی کی تمام زنجیروں کو توڑ کر ایک آزاد اور خودمختار قوم کی حیثیت سے اپنا تشخص دنیا پر واضح کرسکیں ۔ آئی ایم ایف اور دیگر صیہونی اداروں سے گلوخلاصی کا سامان مہیا کریں ۔ پر تعیش زندگی کو چھوڑ کر اسلام کے اصولوں کے مطابق سادگی کو شعار بنائیں، خود

کفالتی کی طرف توجہ دیں اور دوسروں پر انحصار کرنے کے بجائے اپنے وسائل کو بروئے کار لاکر ترقی کی راہ پر گامزن ہوں ۔ یہ موقعہ اللہ جل شانہ کی طرف سے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں ۔ ایٹمی دھماکہ کرتے وقت ہم نے بقول ظفر علی خانؒ ع یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادی کا کے اصول پر جو عمل کیا تھا ۔ اگر یہی اصول ہمارے ہر فیصلے میں کارفرما ہے تو پھر انشاء اللہ وہ دن دور نہیں کہ تمام ملت اسلامیہ کی قیادت ہمارے ملک کے حصہ میں آئیگی ۔ اس تجربہ کے بعد یہ ضروری ہے کہ مملکت پاکستان جس مقصد کیلئے منصۂ شہود پر نمودار ہوا تھا کہ اس خطے میں خدائی نظام کا نفاذ اور اسلامی شریعت کا بول بالا ہوگا ، قرآنی امن واشتی کی روح پرور بہاریں ہر سو جلوہ فگن ہوں گی ۔ اسلامی عدل وانصاف کی دل آویز رعنائیاں دل ودماغ کو معطر اور مشام روح وجاں کو معنبر کرینگی اس عظیم مقصد کے حصول کیلئے آزادی کے دیوانوں اور شمع حریت کے پروانوں نے جو قربانیاں دیں ہیں وہ تاریخ کا ایک مستقل عنوان ہے ۔ ہم وزیراعظم پاکستان سے یہ پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ "گردوپیش" سے کے بیگانہ ہوکر شرعی نظام کی تنفیذ کا دھماکہ خیز اعلان کرکے اس ایٹمی تجربہ کی تکمیل فرماویں ، ورنہ

~ شبنم سے فقط کام چلا ہے نہ چلے گا ‏ پھولوں کی زباں خون جگر مانگ رہی ہے

قابل افسوس امر یہ ہے کہ وزیراعظم نے قوم سے خطاب کے دوران کالاباغ ڈیم کی تعمیر کا متنازعہ اعلان تو کردیا اور بڑی رعونیت کے ساتھ اس کو ایٹمی دھماکہ کے ہم پلہ قرار دیا ۔ مگر ان کو یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ اسلام یا اسلامی نظام کے بارے میں دوبول فرماسکیں ...؟ ۔ باعث حیرت امر یہ ہے کہ میاں صاحب کو اسلام اور شرعی قوانین سے اس قدر کد کیوں ہے ؟ آخر ایک اسلامی مملکت کے سربراہ ہونے کے ناطے آپ کا یہ فرض بنتا ہے کہ یہاں پر شرعی نظام کیلئے آپ کوشاں رہیں ۔ اس لئے کہ بھاری مینڈیٹ آپ کو موثروے ، زرعی اور اقتصادی اصلاحات فلاحی اور ملک کی تعمیراتی امور کے ساتھ ساتھ نفاذ اسلام کیلئے بھی دیا گیا ہے لیکن ابھی تک اسلامی نظام کے متعلق آپکی کارکردگی "گستاخی معاف" صفر ہے ۔ الحمدللہ پاکستان کی اکثریتی آبادی غریب اور مذہبی جذبات سے سرشار عوام پر مشتمل ہے ان کی آرزوویں اور دل کی دھڑکنیں نفاذاسلام کے ساتھ وابستہ ہیں ۔ اگر مٹھی بھر مغرب زدہ طبقہ اس خدائی نظام سے الرجک ہے تو وہ لوگ یا خود بخود صراط مستقیم پر آجائیں گے یا اپنے آقائے ولی نعمت کے دیس میں پناہ گزیں ہوکر اپنے لیے ذلت ورسوائی کا سامان فراہم کریں گے ۔ بسم اللہ کیجئے اور نظام اسلام کا دھماکہ خیز اعلان کرکے اسلام دشمن قوتیں کے عزائم کو خاک میں ملا دیں ۔

متنازعہ کالاباغ ڈیم ۔ ایک حساس قومی مسئلہ

ریڈیو اور ٹی وی پر خطاب کرتے ہوئے وزیراعظم میاں نوازشریف نے کالاباغ ڈیم کی تعمیر کے بارے میں حکومت کا عندیہ قوم کے سامنے پیش کیا ۔ اور اس متنازعہ ڈیم کو بنانے کا اعلان کرکے پاکستان کے دیگر چھوٹے صوبوں اور انکے تحفظات کو بیک جنبش قلم نظرانداز کرتے ہوئے ایک آمرانہ فیصلہ صادر فرمایا ، جس پر ان صوبوں کے عوام کیطرف سے شدید ردعمل کا اظہار بالکل ایک فطری اور طبعی امر ہے ۔ موجودہ وقت میں جبکہ پاکستان کو مستحکم اور مضبوط سے مضبوط تر کرنے کی شدید ضرورت ہے ایسے موقع پر اس حساس مسئلہ کے بارے میں بلاشرکت غیرے فیصلہ کرنا انتہائی غیر دانشمندانہ اور غیر حقیقت پسندانہ طرز عمل ہے جسکی کسی ذی ہوش کیطرف سے تحسین نہیں کیجاسکتی ۔ صوبہ سندھ اس ڈیم کی تعمیر پر راضی نہیں جبکہ سرحد کا اکثر زرعی لحاظ سے بھرپور اقتصادی نقطہ نگاہ سے اہم اور انڈسٹریل علاقہ زیر آب آئیگا بلکہ ہماری تہذیب وثقافت اور تاریخی علاقے اور قدیمی ورثے غرق دریا ہوجائیں گے جن کے ساتھ ہماری وابستگی جذباتی حدتک ہے ۔ مثال کے طور پر اکوڑہ خٹک جوکہ ایک قدیم تاریخی شہر اور دارالعلوم حقانیہ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب نوراللہ مرقدہ کی وجہ سے دنیا میں اسکا ایک اہم مقام ہے کے متاثر ہونے کا کافی امکان ہے جس کا تصور بھی ہمارے لیے سوہان روح ہے ۔ نوشہرہ ضلع تو تمام اسکی زد میں ہے ۔ ضلع صوابی ، مردان ، چارسدہ اور ضلع پشاور کا کافی علاقہ یہ کالاناگ کھا جائیگا ۔ اسی طرح بلوچستان کی حکومت اور عوام نے بھی اس ڈیم کو مسترد کیا ہے ۔ اب میاں صاحب صرف ایک صوبے کی خاطر پاکستان کے وفاق کو تہس نہس کرنے کے درپے ہیں ۔ چاہئیے تو یہ تھا کہ اس پر میاں صاحب پارلیمنٹ کو اعتماد میں لے لیتے اسی طرح تمام پارٹیوں کے ساتھ مذاکرات کرتے اور دیگر تینوں صوبوں کے خدشات کو زائل کرنے کی کوشش فرماتے لیکن وہ افہام وتفہیم سے مسئلہ کو حل کرنے اور ایوان کو اعتماد میں لینے سے اغماض کرکے اپنے بعض ناعاقبت اندیش مشیروں کے فریب میں آگئے اور یہ فیصلہ صادر فرمایا ۔ ہم یہاں میاں صاحب سے یہ گذارش کرتے ہیں کہ تمام ماہرین اور دیگر صوبوں کے تحفظات کو مدنظر رکھکر ایک متفقہ لائحہ عمل تیار کریں ۔ اس سے پہلے کہ یہ "سیل عرم" وفاق پاکستان کو غرقاب کردے ۔ ہم اس نازک اور حساس موقع پر ارباب اقتدار ، سیاستدانوں اور رہنمایان قوم سے بھی اپیل کرتے ہیں کہ اس خالص فنی مسئلہ کو سیاسی ایشو نہ بنائیں ۔

خدارا محسن پاکستان کی شخصیت کو متنازعہ نہ بنائیں

چند دنوں سے اخبارات میں محسن پاکستان جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی شخصیت کو متنازعہ بنانے کے بارے میں طرح طرح کے بیانات آرہے ہیں اور اسکے ساتھ ساتھ نئے نئے ایٹمی سائنس دانوں کا تعارف کیا جارہا ہے۔ جوکہ ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو پس منظر میں لیجانے کی ایک گھناؤنی سازش اور مذموم کوشش ہے مگر یہ ان سازشوں کی بھول ہے۔ اسلئے کہ ڈاکٹر صاحب عالم اسلام کا ہیرو ہیں اور یہ بات تمام عالم پر عیاں ہے کہ بھارتی ایٹمی دھماکہ اور سقوط مشرقی پاکستان کے بعد ڈاکٹر صاحب نے جس دینی جذبے، لگن اور ایمانی حرارت سے سرشاری کے عالم میں پاکستان اور بالعموم عالم اسلام کیلئے ایٹم بم بنانے کی جو طرح ڈالی تھی۔ آج اسکے برگ وبار تمام دنیا کے سامنے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ یہ کام ڈاکٹر عبدالقدیر صاحب تنہا سرانجام نہیں دیتے، انکے ساتھ ایک ٹیم ہے انکی کاوشوں سے بھی صرف نظر اور اغماض نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن پاکستان کو ایٹمی قوت بنانے کا سہرا ڈاکٹر خان کے سر ہے۔ آجکل بعض نام نہاد افراد کیطرف سے جس بھونڈے انداز میں ان کی خدمات کو نظرانداز کرنے کی سعی نامشکور کیجارہی ہے یہ تمام پاکستانیوں کے دلوں پر آرے چلانے کے مترادف ہے۔ ہم وزیراعظم پاکستان سے اپیل کرتے ہیں کہ اس سازش کو بے نقاب کریں اور اسکے پیچھے خفیہ ہاتھوں کا سراغ لگاکر انکو نشانہ عبرت بنائیں۔ چند بے ضمیر افراد ملت فروش اوراسلام دشمن عناصر ہم کو ایٹمی قوت بننے کی سزا دے رہے ہیں۔ اس ضمن میں مرزائیوں کی نقل وحمل اور پراسرار سرگرمیوں پر نظر رکھی جائے کیونکہ مرزائیت کا شجرہ خبیثہ ملت اسلامیہ کیلئے ایک بہت بڑا "فتنہ" اور دردسر ہے اور ایسے ہی موقعوں پر یہ لوگ اپنے "کرتب" دکھانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

مولانا محمد بنوریؒ کا سانحہ وفات

گذشتہ دنوں محدث عصر حضرت علامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری قدس سرہ کے صاحبزادے اور جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کے نائب مہتمم مولانا محمد بنوری کی المناک موت کا واقعہ پیش آیا۔ (اناللہ واناالیہ راجعون) آپکے سانحہ ارتحال پر جامعہ دارالعلوم حقانیہ میں غم واندوہ کی لہر دوڑ گئی اور آپ کیلئے فاتحہ خوانی اور رفع درجات کیلئے دعائیں کی گئیں۔ جامعہ کے مہتمم مولانا سمیع الحق صاحب اور دارالعلوم کے دیگر تمام اساتذہ نے اس المناک سانحہ پر انتہائی افسوس کا اظہار کیا۔ ادارہ "الحق" بھی خاندان بنوری کے ساتھ اس عظیم حادثہ میں برابر کا شریک ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے

(ان للہ مااخذ ولہ مااعطی)

یادِ رفتگاں

حافظ راشد الحق سمیع حقانی

اپنی محترمہ مرحومہ پھوپی رح کی یاد میں چند آنسو

؎ آج اپنی شام تنہائی کا ہے منظر جدا جوش درد دل جدا ہے جوش چشم تر جدا

چار ماہ بعد جامعہ ازھر (مصر) سے وطن واپسی ہوئی ہے۔ اور آج اپنے معزز قارئین سے ایسی حالت میں مخاطب ہورہا ہوں کہ قلم دل ودماغ اور آنکھوں سے خون میں آلودہ اشک رواں ہیں۔ لمبے سفر کی تھکاوٹ کے ساتھ ساتھ کاندھوں پر اپنی محترمہ پھوپی صاحبہ کی اچانک اندوھناک اور جواں موت کا بوجھ بھی لیے آیا ہوں۔ میرا تو ارادہ تھا کہ وطن واپسی پر کسی ادبی، چاشنی و رنگینی سے بھرپور کسی نئے سلسلہ مضمون کا آغاز کروں گا۔ لیکن "عرفت ربی بفسخ العزائم" کے مصداق آج اپنی محترمہ و مغفورہ پھوپی رح کی یاد میں نوحہ خوانی اور مرثیہ غم لکھنے بیٹھ گیا ہوں۔ سوچا کیا تھا اور ہو کیا گیا۔ میں اپنے پیچھے ایک ایسی ہستی کو کھو بیٹھا ہوں جو شفقت و محبت میں میری والدہ ماجدہ جیسی تھیں۔ یہ قیامت میری غیر موجودگی میں برپا ہوئی۔ میں جب سفر سے دل ویراں سمیت لوٹا تو پیچھے اپنی کایہ ہی پلٹ گئی تھی۔ واپسی پر یہاں یوں محسوس ہوا کہ ہر شے اپنی شوخی کھو بیٹھی ہے۔ شاخ وگل کا ذکر ہی کیا پورا باغ کا باغ خزاں منظر نظر آیا۔ ایک ویرانی سی ویرانی چارسو پھیلی ہوئی تھی۔ گلی کوچے اور در و بام بجھے بجھے سے تھے۔ آسمان اور زمین بھی افسردہ نظر آرہے تھے۔ اور میرا حال یہ تھا کہ اپنے ہی طلب و جستجو سے شکوہ سنج رہا۔

؎ میرے ساتھ چلنے والے تجھے کیا ملا سفر میں وہی دکھ بھری زمیں ہے وہی غم کا آسماں ہے؟

دل ودماغ پر اس حادثہ کا عکس تو ۲۵ دن بعد قاہرہ میں ہی پڑچکا تھا۔ جب پاکستان ایمبسی کے ہیڈکونسلر جناب شیر محمد خان صاحب نے فون پر میرے ساتھ تعزیت کرنا چاہی۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ آپ مجھ سے کیا کہہ رہے ہیں؟ کیونکہ اس دوران میں کئی بار حضرت والد صاحب مدظلہ اور بھائی جان سے فون پر گفتگو کرچکا تھا لیکن انہوں نے اس حادثہ کی بارے میں مجھے مصلحتاً بے خبر رکھا۔ فون پر میری گھبراہٹ اور پریشانی کو دیکھتے ہوئے آپ نے واضح صورتحال نہیں بتائی لیکن میں نے اصرار کرکے اپنی شاخ نشیمن پر گری بجلی کا حال دریافت کرنا چاہا۔

؎ قفس میں مجھ سے روداد چمن کہتے نہ ڈر ہمدم گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو

اس جانکاہ خبر نے ایک مسافر بے وطن کے ہوش وحواس کے خرمن کو لمحہ بھر میں راکھ کردیا۔

ع   مارا دیار غیر میں مجھ کو وطن سے دور

میں تو اپنی باحیا عفت مآب صبر و رضا کی پیکر پھوپی کو زندہ خوش و خرم صحت و عافیت کے ساتھ اپنے گھر کی دہلیز پر الوداع کہتے چھوڑ گیا تھا۔ معلوم نہ تھا کہ مجھے سفر پر بھیجتے ہوئے خود سفر آخرت کو کوچ کر جائینگی۔ اور ہماری یہ چند ماہ کی عارضی جدائی ہمیشہ کیلئے فرقت دوام کی شکل اختیار کر جائے گی۔ ہم ایسے بچھڑ جائینگے کہ پھر شاید صبح قیامت کو ہی ملیں۔ آسماں اور قاضی تقدیر نے ہمارے درمیان فراق کی ایک ایسی لکیر کھینچ دی ہے کہ آئندہ رسم وراہ ہونے کی کوئی بھی صورت باقی نہیں رہنے دی۔ آج ہفتہ دس دنوں سے کوشش کر رہا ہوں کہ کچھ نہ کچھ آپ کے بارے میں لکھ سکوں، لیکن طبعیت اور قلم دونوں نہیں سنبھلتے ایک کو راضی کرتا ہوں تو دوسرا ساتھ نہیں دیتا

حادثہ کی اطلاع کے بعد بیس دن تک وطن سے دور مسافرت و تنہائی میں تصویر غم اور سراپا سوز والم رہا۔ گوکہ اسی دوران راقم نے حتیٰ المکان صبر کا دامن تھامے رکھا۔ لیکن جب وطن واپسی ہوئی تو آپکے گھر اور مزار پر اشک ہائے درد کے سامنے ضبط کے سارے پشتے ٹوٹ گئے۔

؎ کیوں گردش مدام سے گھبرا نہ جائے دل   انسان ہوں پیالہ و ساغر نہیں ہوں میں

اس اچانک حادثہ سے بستی دل کی ساری شوخیاں و سرگرمیاں بجھ گئی ہیں۔

؎ تھی وہ اک شخص کے تصور سے   اب وہ رعنائی خیال کہاں

یہ چند سطور بھی بڑی مشکل سے لکھے ہیں۔ حزن و غم میں ڈوبے ہوئے قلم کی یہ ایک شکستہ تحریر ہے اور ایک بھتیجے کے ٹوٹے ہوئے دل کے چند درد انگیز نالے اور چشم تر کے چند خوں فشاں آنسو ہیں۔ جو ان کی یاد میں رقم کر رہا ہوں۔ میرے ساتھ سوائے دعا، قلب حزیں اور قلم و قرطاس کے بچا ہی کیا ہے؟   ع   جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہینگے۔

زندگی کے ستم ہائے بے حساب اور سانحات بے کراں سے یوں تو روز اول ہی سے گہرا واسطہ چلا آرہا ہے۔ لیکن ان دو عشروں میں ہمارے ددھیال و ننھیال کے خاندانوں کے کئی آفتاب و مہتاب غروب ہو چکے ہیں۔ اس عرصہ میں ہم نے بہت کچھ گنوایا ہے۔ لیکن اس نئے چراغ کے بجھنے سے تو گویا پورے خاندان کی رونق ہی چلی گئی ہے۔ زندگی کی گراں باری و بے قراری بڑھتی چلی جارہی ہے کاروان آخرت میں جوان، بوڑھے، تندرست و توانا سب ہی شامل ہو رہے ہیں۔ دھیرے دھیرے ایک ایک کر کے اپنے چاہنے والے زیر زمین نہ جانے کس نگری کی طرف چلے جارہے ہیں۔

؎ دیکھو جسے ہے راہ فنا کی طرف رواں   تیرے محل سرا کا یہی راستہ ہے کیا؟

؎ اور سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں خاک میں کیا صورتیں ہونگی کہ پنہاں ہوگئیں

آپ کا انتقال یکم محرم الحرام بروز پیر ہوا۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں اس دن گھر سے فون پر رابطہ کی برابر کوشش کرتا رہا کہ اہل خاندان کو نئے اسلامی سال کی مبارکباد پیش کروں۔ لیکن سوئے قسمت فون پر رابطہ نہ ہوسکا۔ ورنہ حادثہ کی بروقت اطلاع پاتا۔ اور شاید جنازے میں شرکت کی سعادت بھی حاصل کرتا۔ لیکن زندگی کی بہت سی بدنصیبیوں کی طرح آپکے آخری دیدار سے بھی محروم ہی رہا۔ ع اے بسا آرزو کے خاک شدہ۔

بالکل اسی طرح آج سے ۱۲ سال قبل جب میں جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں زیر تعلیم تھا تو اپنی عظیم مرحومہ دادی صاحبہؒ کی زندگی میں ان سے ملاقات کی حسرت دل میں ہی رہ گئی۔ اور آپ میری غیر موجودگی میں انتقال فرماگئی تھیں۔

؎ جاتے جاتے الوادع ہم سے نہ کہنے پاؤ گے اتنا چھوٹا زندگی کا راستہ ہوجائے گا

جس کی زندگی کا سورج ابھی نصف النھار پر تھا۔ جو اپنے چھوٹے بچوں کی دینی ودنیاوی تربیت وپرورش میں پوری طرح مستغرق تھیں۔ جس کی ممتا کی گود اپنے نونہالوں کیلئے ایک سائباں تھی۔ اور جس کا بچوں کے ساتھ لگاؤ مثالی اور منفرد تھا۔ اچانک ہی موت کی آندھی نے پلک جھپکتے ہی قیامت برپا کردی۔

آہ جسے زندگی عزیز تھی اور زندگی سے عزیز تر معصوم لاڈلے بچے تھے۔ جن کی خاطر ہی آپ نے قبل ازوقت حفظ ماتقدم کے طور پر آپریشن کی حامی بھرلی تھی کہ بروقت آپریشن ہوجائے تاکہ بعد کی زندگی میں بچوں کیلئے کوئی پریشانی نہ ہو۔ معلوم نہ تھا کہ مرگ ناگہانی کتنی قریب آچکی ہے۔ آپ کو خبر نہ تھی کہ اس بدقسمت عہد کے مسیحاؤں کے ہاں زندگی نہیں موت بانٹی جاتی ہے۔ آپریشن کے فوراً بعد آپکی ناسازی طبع وتکلیف بڑھتی چلی گئی موقع پر موجود عزیزوں اور رشتہ داروں کی بار بار اطلاع و شکایت کے باوجود کسی ڈاکٹر یا عملہ نے مریض پر خاص توجہ معمول کے مطابق نہیں دی۔ (حالانکہ آپ کو آفیسر وارڈ میں داخل کیا گیا تھا) ہسپتال کا عملہ صرف طفل تسلی دیتا رہا۔ دو تین گھنٹوں کی اذیت ناک تکلیف دہ صورتحال کے بعد آپکی حالت مزید بگڑ گئی۔ آپ نے موت سے قبل سب کو بتایا کہ میری زندگی کے آخری لمحات قریب ہورہے ہیں۔ کسی ڈاکٹر کو بلاؤ۔ کسی "نام نہاد مسیحا" کو بلاؤ۔ آخر کار ڈاکٹروں اور ہسپتال کے عملے کی مجرمانہ غفلت کے نتیجہ میں اپنی بہن کے ہاتھوں میں جان جان آفریں کے سپرد کردی۔ (اناللہ واناالیہ راجعون)۔ ہمارے خاندان نے کمال صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہسپتال کے عملہ اور ڈاکٹروں کو اللہ کی رضا کیلئے

معاف کردیا۔ لیکن جانے کب تک اس ملک کے " شفاخانوں " میں روزانہ کتنے بے گناہ اور معصوم لوگ ڈاکٹروں اور نرسوں کی عدم توجہ اور لاپرواہی کے ہاتھوں موت کے زہریلے ساغر پینے پر مجبور ہوتے چلے جائینگے۔ یوں تو ہمارے ملک کا ہر شعبہ زندگی بیٹھ گیا ہے۔ لیکن خصوصاً محکمہ صحت کا ہمارے ہاں جو برا حال ہے شاید ہی وہ دنیا کے کسی محکمہ صحت کا ہو۔ جانے کب کوئی خضر راہ اس بھٹکے ہوئے ملک وقوم کو صحیح سمت کی طرف لائے گا۔ اور جانے کب تک اس ملک کے " شفاخانوں" اور ہسپتالوں میں غریب و معصوم مریضوں کی زندگیوں کے چراغ بےوجہ بجھتے چلے جائینگے۔ ع کس کو آتی ہے مسیحائی کسے آواز دوں ؟

آپکی وفات کے بعد جب بچوں کی طرف دیکھتا ہوں تو ہر روز غم تازہ ہوتا ہے۔ جب بچے سکول سے گھر کی طرف دوڑ کر واپس ہوتے ہیں تو معمول کے مطابق گلی سے ہی اپنی مشفق ماں کو امی امی کی دیوانہ وار صدا دیتے ہیں۔ اس امید پر کہ شاید ابھی ان کی ماں گھر کا بند دروازہ کھولے گی۔ لیکن اب ان کی ماں ان کے استقبال کیلئے موجود نہیں ہوتی۔ ان نونہالوں کی بازگشت گھر کے درودیوار سے ٹکرا کر ان کو رونے پر مجبور کرتی ہے۔ ستم ہائے زیست کا کیا کہنا۔ بچوں کا ہرا بھرا اور پر رونق جنت نظیر گھر چند دنوں میں قبرستان میں تبدیل ہوگیا ہے۔ جو بچے سارا دن ماں کی تربیت اور ممتا کی آغوش میں گھر کے حدود میں خوش وخرم تھے آج ان کیلئے یہی گھر ماتم سرا ہوگیا ہے۔ خدا کی جانب سے ہم موت وحیات کے سارے فیصلوں پر راضی ہیں۔ لیکن پھر بھی جب نگاہ ان معصوم پھولوں کے مرجائے ہوئے چہروں کی طرف اٹھتی ہے تو بھلا کونسا ایسا دل ہوگا جو خون کے آنسو نہ روئے گا ؟ اور کونسی ایسی آنکھ ہوگی جو خوں افشانی پر مجبور نہ ہو ؟۔ ایسی جواں مرگ پر اگر غم کا اظہار صبر و رضا کے ساتھ تھوڑا بہت کیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

ؔ دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئینگے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستائے کیوں

اس دنیا میں زندہ رہنے والوں کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ یہاں ہر کوئی یہ سوچتا ہے کہ موت صرف دوسرے انسان کیلئے ہے۔ مجھے تو ابھی نہیں مرنا۔ ابھی تو فلاں فلاں کام کرنے ہیں، ابھی تو دنیا کمانی ہے، ابھی تو شباب ہے جوانی ہے اور زندگی کے مزے اڑانے ہیں۔ لیکن یہ سراسر ہماری خام خیالی اور غفلت ہے۔ موت کیلئے کیا جواں اور کیا بڑھاپا، کیا طاقت ور اور کیا کمزور، کیا غریب اور کیا امیر، کیا صحت مند اور کیا بیمار.....

ؔ اک مسلسل موت ہے اس کے سواہ کم سنی پیری جوانی کچھ نہیں

یہاں ہر ذی نفس وذی روح موت کی امانت ہے ،اور زندگی کی پرورش ہی مرگ ناگہانی کےلئے ہوتی ہے ۔ یہ سنگ وخشت کا جہاں ومسکن عارضی ہے ۔ اس خاک دان مٹی (انسان) کو نصیب چند نفس ہائے سردوگرم اور کچھ روزہ زندگی حقیقت میں فقط سراب ہے ۔ ذرا غور سے دیکھئے تو یہاں تار نفس کے ٹوٹنے میں کتنا وقت لگتا ہے ؟ ۔ اور نغمہ زیست کے ختم ہونے میں کونسے قرن وزمانے لگتے ہیں ؟ ۔ ہم اپنی آنکھوں اور اپنے ہاتھوں سے روزانہ اپنے پیاروں کو خاک تیرہ میں دفن کرتے چلے جارہے ہیں ۔ لیکن ہمارے دلوں اور زندگیوں پر اثر نام کا کوئی رد عمل نہیں ہوتا ۔ حالانکہ حدیث نبویؐ ہے :"کفی بالموت واعظ" موت وحیات پر اگر فلسفیانہ یا سائنسی نقطہ نگاہ سے نظر ڈالی جائے تو روزاول ہی سے یہ قضیہ لاینحل چلا آرہا ہے اور رہے گا ۔ اگر دین و مذہب اور اسلام نے ہمیں قرآن کے ذریعے عقیدہ آخرت اور دوبارہ حیات بعدالموت کا نظریہ اور عقیدہ نہ دیا ہوتا جس میں موت وحیات کو ہر لحاظ سے حل کرکے سمجھایا گیا ہے ۔ اگر یہ روشنی نہ ہوتی تو ایک انسان کا مرنا دوسرے انسان کو دیوانہ کرنے کیلئے کافی ہوتا ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ کون کس حالت میں مرتا ہے ؟ اور اس کے پاس سفر آخرت اور ابدی زندگی کیلئے کیا سرمایہ وزاد راہ ہے ؟ ۔ مرحومہ ہمارے مسلم معاشرے کی ایک بہترین نمونہ تھیں ۔ آپ ایک ایسی ہستی تھیں جو حیا کی مجسم مورتی ، صبر ورضا کاپیکر اور اس گئے گزرے دور میں مومنہ کاملہ کی زندہ تصویر تھیں ۔ قرآن کی تلاوت ، ذکروذکار جس کا اوڑھنا بچھونا تھا ۔ گھریلو خانہ داری اور نظم ونسق میں آپ سب سے ممتاز تھیں ۔ آپ انتہائی کم گو اور ہر وقت خاموش رہتیں ۔ نہ کبھی کسی نے آپ کو شکوہ سنج پایا اور نہ کبھی آپ نے عسرومشکلات کی شکایت کی ۔ خدا نے آپ کو شوہر بھی بڑا ہمدرد اور مخلص عطا فرمایا ۔ جناب الحاج احتشام الحق صاحب نے ساری عمر آپکو ہر طرح کے مشکل اوقات میں خوش رکھا ۔ حادثہ کے بعد آپ کا مثالی حوصلہ قابل دید رہا ۔ مرحومہ کی عابدانہ ،صالحانہ اور شاکرانہ گزری ہوئی زندگی کو دیکھتے ہوئے یقین کامل ہے ۔ کہ خداوندکریم نے آپ کا ٹھکانہ شجر طوبیٰ اور اعلی علیین میں مقرر فرمایا ہوگا ۔ اور آپکی آئندہ کی مبارک زندگی ہر غم ،ہر فکر اور ہر رنج وملال سے پاک ہوگی ۔ خداوندا ہمارے زخمی دلوں کو صبر ورضا کے مرہم سے مندمل فرما ۔ خداوندا توہی ان معصوموں کا بہتر والی اور کفیل و مددگار ہے ۔ تو ہی انکی نصرت وتربیت فرما ۔ کچھ عرصہ قبل آپ نے مجھے قاہرہ میں شفقت ومحبت سے بھرپور ایک شفقت نامہ بھیجا ۔ آپکے اس یادگار خط کے ایک ایک لفظ سے صدق وصفا اور شفقت ومحبت ٹپکتی تھی ۔ میں نے بھی خلاف عادت آپ کے محبت نامہ کا بھرپور انداز میں فوری جواب دیا ۔ اور آپ کی بیٹی کی شادی کی مبارکباد پیش کی ۔ اور لکھا کہ جلد ہی اپنا کورس مکمل کرکے

وطن واپسی ہوگی ۔ اور آپ سے جلد ملاقات ہوجائیگی ۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ ہماری آخری بات چیت ثابت ہوگی ۔

ع کل اس کی آنکھ نے کیا زندہ گفتگو کی تھی گماں تک نہ ہوا وہ بچھڑنے والا ہے

لیکن اب گردش دوراں کی ستم ظریفی دیکھئے کہ میں آج آپ کو مبارکباد دینے کے بجائے آپ کے مزار خاکی پر فاتحہ کیلئے حاضر ہوا ۔ لیکن میں محسوس کررہا تھا کہ آپ کی خاک مرقد مجھ سے بزبان غالب یوں شکوہ سنج ہے ۔

ع ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

آپ دارالعلوم میں واقع قبرستان میں اپنے والدین کے پہلو میں حسب تمنا، حسب آرزو اور حسب خواہش آسودہ خاک ہیں ۔ آپ اپنے بزرگ اور عظیم والدین کی ایسی نیک اور صالح اولاد تھیں تو یقیناً خداوند کے حضور آپ کے والدین کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑی ہوگی ۔ بلکہ ملائکہ کے ہمراہ آپ نے بھی اپنے لخت جگر کا گرم جوشی سے استقبال کیا ہوگا ۔ " یاآیتھاالنفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی "

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اظہار سپاس

بندہ اپنے ان تمام محترم کرم فرما قارئین " الحق" اور معزز و مشفق بزرگان دین وملت کا دل کی گہرائیوں سے شکرگزار و ممنون ہے ۔ جنہوں نے میری " الحق" سے طویل غیر حاضری کے باوجود اس ناکارہ کے نام محبت و شفقت سے بھرپور خطوط اور مکاتیب بھیجے اور اپنی نیک خواہشات اور دعاؤں میں مجھے یاد کیے رکھا ۔ چونکہ راقم جنوری میں عربی لینگویج کورس کیلئے جامعۃ الازھر مصر گیا تھا ۔ الحمدللہ مئی کے اواخر میں اس کورس کی تکمیل ہوئی ۔ میں اس دوران اپنے محبان کرام کو جواب دینے سے قاصر رہا ۔ لہذا معذرت خواہ ہوں ۔ انشاء اللہ میری یہ کوشش رہیگی کہ اپنے ان تمام محسنین کے خطوط کا جواب لکھوں ۔ آخر میں بندہ کے ساتھ پھوپھی محترمہ ومرحومہ کی وفات پر اظہار تعزیت کرنے والوں کا بھی شکرگزار ہوں کہ انہوں نے اس دردانگیز لمحے میں ہمارے ساتھ تعزیت کی ۔

طالب دعا : راشدالحق سمیع حقانی ۔ مدیر " الحق"

قسط نمبر ۲ علامہ سید شمس الحق صاحب افغانی قدس سرہ

مرتب :- جناب مولانا عبدالغنی صاحب

معارف قرآنیہ

قرآن کے حقوق :- حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں سب سے بڑھکر شفاعت قرآن کی ہوگی۔ (۱) زبان پر کیا حق ہے ؟ زبان پر قرآن شریف کا یہ حق ہے کہ انسان صحیح تلاوت کرے۔ اگر ناظرہ پڑھنا ہو تو قرآن شریف کا حق ہے کہ نظر لفظوں پر پڑی رہے۔ ایسی صورت میں ڈبل، دہرا ثواب ہے۔ دیکھنے کا علیحدہ اور پڑھنے کا علیحدہ۔

(۲) دماغ پر کیا حق ہے نمبر ا ؟ :- دماغ پر قرآن شریف کا یہ حق ہے کہ آدمی اس تصور سے پڑھے کہ رب العالمین سامنے ہیں اور میں انہیں سنا رہا ہوں (اگر تو خدا کو نہیں دیکھ رہا تو پھر یہ تصور ہو کہ خدا مجھے دیکھ رہا ہے)۔

۳) دماغ پر کیا حق ہے نمبر ۲ :- دماغ پر قرآن کا دوسرا حق یہ ہے کہ مطالب ومعانی پر بھی غور کرے۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے فرمایا ہے: " ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا " ترجمہ : (جسے اللہ تعالیٰ حکمت عطا کردے اسے اللہ تعالیٰ نے خیر کثیر عطا کردی)۔ فرماتے ہیں حکمت سے مراد مطالب وتفاسیر ہیں۔ (اگر آدمی کو ایک آیت کا بھی مطلب آتا ہے تو وہ خیر کثیر لے گیا تو ایسا آدمی جہنم میں کیسے جائے گا ؟)

(۴) بدن کے اعضاء پر کیا حق ہے ؟ :- بدن کے تمام اعضاء پر یہ حق ہے کہ اعضا قرآن پر عمل کریں۔ اگر قرآن معلوم ہونے کے بعد اس پر عمل نہ کیا تو پھر گناہگار ہوگا۔

(۵) سننے والے پر کیا حق ہے ؟ :- سننے والوں پر قرآن کا حق ہے کہ وہ خاموشی سے سنیں۔ مثلاً قاری صاحب تلاوت کر رہے ہوں یا کوئی مدرس قرآن کا درس دے رہا ہو تو اس وقت سننے والے کیلئے ضروری ہے کہ وہ خاموشی سے سنے۔ باتیں کرنا تو درکنار دیگر کوئی وظیفہ پڑھنے کی بھی اجازت نہیں۔ مثلاً اگر قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو یا قرآن کا درس ہو رہا ہو تو اس دوران کوئی شخص لاالہ الا اللہ کا ورد کرے یا درود شریف وغیرہ پڑھے تو گناہ ہے۔ بس اس وقت صرف قرآن شریف سنے جو

خدا کا آرڈر اور حکم ہے۔ قرآن شریف سنتے وقت سلام کا جواب دینا اور نفلی نماز پڑھنا بھی گناہ ہے۔ اس لیے کہ قرآن کا سننا واجب اور نفل نماز مستحب ہے تو قرآن کو سن کر واجب کو ادا کیاجائے یہ قرآن شریف کے آداب ہیں۔ " واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون "

ترجمہ:۔ اور جب قرآن کی تلاوت ہورہی ہو تو تم اسے سنو اور چپ رہو تاکہ تم پر رحمت ہو۔

اگر رحمت کی طلب ہے تو میرے قرآن کی تلاوت کے وقت زبان روک لو کوئی وظیفہ نہ پڑھو۔اس سے معلوم ہوا کہ نیکی اپنی طرف سے مت بناؤ اللہ ورسول اکرمؐ سے پوچھو کہ نیکی کونسی ہے؟۔

(۱۴) حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم :۔ حضرت انبیاء علیہم السلام قبور میں زندہ ہیں۔

حضرت امام مالک رحمہ اللہ ایک مرتبہ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے دیکھا کہ ایک آدمی اونچی آواز میں بول رہا تھا تو اشارے سے فرمایا کہ پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام زندہ ہیں۔ بے ادب اونچا نہ بولو!

" یاایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون " (اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیغمبر کی آواز سے اونچا نہ کرو۔ اور اسے سخت لہجے میں بات نہ کرو۔ جس طرح آپس میں کرتے ہو۔ ورنہ تمھارے اعمال ضبط کر لئے جائیں گے اور تمھیں پتہ بھی نہ ہوگا)۔

تو حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ روضۂ اطہر پر آکر دبی آواز میں بات کیا کرو کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زندہ ہیں صرف قبر کا پردہ ہے۔ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پکار کر خطاب نہ کرو اس کی اجازت نہیں۔ یہ گستاخی ہے۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یا نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، یاسیدی صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا مولائی صلی اللہ علیہ وسلم، وغیرہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پکارنے کی اجازت ہے۔

درود پاک کا ادب :۔ نماز جیسی عبادت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تلاوت اور رکوع وغیرہ کی تسبیحات قیام کی صورت میں رکھی ہیں مگر درود شریف کو التحیات میں بیٹھنے کی صورت میں رکھا ہے۔کیا خدا کو پتہ نہ تھا کہ درود وسلام کھڑے ہوکر پڑھنا چاہیئے وہ کھڑے ہوکر پڑھنے کا حکم دیتا؟ کیا ہم زیادہ عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا کہ حضرات صحابہ کرامؓ ؟ کسی صحابیؓ، تابعیؒ، تبع تابعیؒ، یا بزرگانؒ دین سے کسی ایک نے درود وسلام کھڑے ہوکر کیا ہو تو بتاؤ ہم آج کر دیتے ہیں۔ کھڑے ہوکر اور مخصوص لہجوں اور طرزوں میں درود وسلام پڑھنا بھی بے ادبی ہے۔ بس نیکی وہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہو۔ من گھڑت نیکیوں کی خدا کے ہاں اور

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کوئی حیثیت نہیں ۔ حضرت مولانا محمد قاسمؒ نانوتوی فرماتے تھے کہ کتا ہوتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہوتا تاکہ آپؐ کا دیدار ہوجاتا ۔ یہ تھا عشق اور یہ تھی محبت ۔ حضرت مولانا رشید احمدؒ گنگوہی کے ہاں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سلام ایک شخص لایا آپؒ نے پوچھا کہ حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے نام کے ساتھ مولوی) بھی فرمایا تھا ؟ اس نے کہا ہاں ۔ تو آپ خوشی سے رونے لگے ۔ یہ تھا مقام ہمارے اکابرین کا ۔ باقی روٹی کیلئے مسئلے گھڑنا یہ بری بات ہے ۔ علماء دیوبند اگر انگریز کے خلاف جنگ نہ کرتے تو وھابی نہ پکارے جاتے ۔ غلام رسول مہر اپنی تاریخ کی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں سب سے پہلے (سرولیم) نے پھوٹ ڈالنے کیلئے یہ لفظ نکالا تھا ۔

عقیدہ علماء دیوبند :- آج میں تمھیں مسئلہ بتلاتا ہوں تاکہ تمھیں معلوم ہوجائے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اصل محبت علماء دیوبند کو ہے ۔ ورغلانے والے ورغلاتے ہیں مگر ہم اس مسئلہ کے دلائل کے ذمہ دار ہیں ۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ تمام علماء دیوبند اور اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ جس مٹی سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قدم مبارک یا ہاتھ مبارک لگ گیا وہ مٹی خانہ کعبہ اور خود عرش خدا سے افضل ہے ۔ وفاء الوفاء میں یہ سب موجود ہے ۔ اب تم علماء دیوبند کو جو کچھ سمجھو ، سمجھو ۔ اسی عقیدہ پر زندہ ہیں اور اسی پر موت آئے گی انشاء اللہ العزیز ۔

حیات انبیاء علیھم السلام پر (انباء الاذکیاء فی حیوۃ الانبیاء) یہ مستقل کتاب لکھی گئی ہے ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات مسلمانوں کی مائیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم باپ ہیں ۔ اب اگر کوئی مرزا قادیانی کو باپ بنائے تو یہ انسانی شرف اور غیرت کے خلاف ہے ۔

۱۵ ۔ تمام صحابہ کرامؓ صدیق ہیں :- حضرت علیؓ بھی صدیق ہیں ، حضرت فاروق اعظمؓ بھی صدیق ہیں ، حضرت عثمان غنیؓ بھی صدیق ہیں ، حضرت بلالؓ بھی صدیق ہیں ، حضرت ابوھریرۃؓ بھی صدیق ہیں سب صحابہ کرامؓ چھوٹے سے لیکر بڑے تک صدیق ہیں ۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ان میں صدیق اکبر ہیں ۔ صدیق اس کو کہا جاتا ہے کہ جس کو پیغمبر علیہ السلام سے یقین کے درجہ میں مشابہت ہو ۔ کہ جس طرح پیغمبر علیہ السلام کو جس درجہ میں اللہ پر یقین ہے ، اسی درجہ کا یقین جس کو پیغمبر علیہ السلام پر ہو وہ صدیق ہے ۔ یہ مقام صرف صحابہ کرامؓ کو حاصل ہے ۔ تو تمام صحابہ کرامؓ صدیقین ہیں ۔ صرف ایک مثال دیتا ہوں ۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں

" ولورفع الحجاب ما ازددت یقیناً " ترجمہ : کہ اب اگر اللہ تعالیٰ آخرت کے تمام پردے

ہٹادے اور میں اس جہان کا آنکھوں سے مشاہدہ کرلوں تو میرا یقین اسی درجے تک ہوگا جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے پیدا ہوا تھا۔ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا مقام بھی صدیقین کا ہے (۱۶) امن قائم کرنا حاکم وقت کا فریضہ ہے :- حاکم وقت پر فرض ہے کہ وہ ملک میں امن قائم کرے۔ اگر امن قائم نہ کر سکے گا بلکہ ملک میں بدامنی پھیل جائے تو حاکم سلطنت چھوڑ دے کیونکہ وہ اپنے فرائض نبھانے میں ناکام ہوچکا ہے۔ اسے قرآن یوں بیان کرتا ہے: " وعداللہ الذین امنو منکم ... ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا " (یعنی اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میں نیک بندوں کو حکومت دوں گا وہ دین حق کی بنیادیں پختہ کریں گے۔ ہر طرف امن وامان کا دوردورہ ہوگا)۔ اس کا معنی یہ کہ اگر ایک بیوہ عورت گھر میں رہتی ہو اور دس لاکھ روپے یا کوئی اور ملکیت اس کے پاس ہو تو کسی چوکیدار یا محافظ کی اسے ضرورت نہ ہو۔ (یہ ہے امن)۔ حضرت فاروق اعظمؓ کے زمانے میں بحرین کے گورنر دس لاکھ چاندی کے روپے لائے جو ساری رات مسجد نبویؐ کے صحن میں بغیر محافظ کے پڑے رہے۔ تو بتلانا یہ ہے کہ امن تھا خوف نہ تھا کوئی چوری نہ تھی۔ آج مسجد میں ایک آنہ کی چیز بھی آدمی نہیں رکھ سکتا۔ سعودی عرب میں آج بھی وہی قانون ہے تو کوئی چوری ہے وہاں ؟ کوئی چوری وغیرہ نہیں۔ قلات، بسیلہ، مکران، خاران، ان چار ریاستوں میں اسلامی سلطنت تھی جو میرے سپرد تھی (یعنی حضرت افغانیؒ نے ان علاقوں میں گیارہ (۱۱) سال اسلامی سلطنت چلائی) اسلامی قانون کی برکت دیکھو کہ وہاں نہ فوج تھی اور نہ ہی اتنی پولیس تھی اور نہ ہی اسلحہ پر لائسنس کی پابندی تھی جو جتنا اسلحہ رکھنا چاہے رکھ سکتا تھا۔ گویا کہ پوری قوم مسلح تھی۔ یعنی بدامنی کے پورے اسباب موجود تھے مگر ایک قتل نہیں، ایک چوری نہیں وغیرہ۔ وہاں گیارہ سال اسلامی سلطنت قائم رہی، ہرطرف امن ہی امن تھا جو قانون امن قائم نہ کر سکے اس پر تھوکو۔ مساجد میں دیگر اشیاء ضرورت کے علاوہ قیمتی قالین بچھے ہوئے ہوتے تھے۔ کوئی شخص قیمتی سے قیمتی جوتا بھی مسجد کے اندر نہیں لے جاتا تھا۔ جوتے باہر چھوڑ کر مسجد میں داخل ہوجاتے تھے۔

کیا آج یہ امن آپ کے پاس ہے؟ نہیں ہے تو پھر اس قانون کو چھوڑو۔ ہم جب اپنی ریاست سے کوئٹہ شہر میں آتے تو کہا جاتا کہ آپ اسلامی حکومت سے نکل آئے ہیں یہاں انگریز کی حکومت ہے۔ جوتا مسجد میں ساتھ لے جانا ورنہ چوری ہوجائے گا۔ آج ہمارے ملک میں جو بدامنی، قتل و غارت، عریانی اور فحاشی عروج پر ہے یہ سب یورپی قانون کا نتیجہ ہے۔ ہمارے پاکستانی حکمران خود اسلامی نظام نہیں چاہتے کیونکہ یہ لوگ خائن ہیں انہیں پھر عیاشی میسر نہیں آتی۔ اسلام تو پھر دیانت،

شرافت، سادگی اور عدل وانصاف چاہتا ہے۔ اس پر ہمارے حکمران راضی نہیں۔ یہ خود خائن اور لٹیرے ہیں۔ ملک اور قوم کو کھائے جارہے ہیں۔

(۱۷) سلطنت داؤدی اور سلطنت سلیمانی :- بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے بہت نعمتوں سے نوازا۔ سب سے زیادہ نعمتیں اسی قوم کو عطاء ہوئیں اور زیادہ ناشکری بھی اسی قوم میں تھی۔ ناشکری کے ساتھ نافرمانی بھی عروج پر تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے برابر دنیا میں کسی کی سلطنت تھی نہ ہوگی۔ کیونکہ سلطنت آپکی دعا سے عطا ہوئی تھی۔ انسانوں، جنوں اور ہوا وغیرہ پر مکمل آپؑ کی حکمرانی تھی۔ جنوں سے محل وغیرہ بنواتے، انہیں جیل خانوں میں قید کرتے۔ وہ جیل خانے اور ہیکل سلیمانی والی عمارتیں اب تک موجود ہیں۔ ہوا آپؑ کیلئے جاسوسی کا کام کرتا۔ جہاں کوئی بات ہوئی وہ آپؑ تک ہوا پہنچا دیتی وغیرہ۔ حضرت داؤد علیہ السلام یہ بھی اس قوم بنی اسرائیل کے پیغمبر ہیں ان کے لئے لوہا موم کردیا گیا، نرم کردیا گیا، کہ پٹرول کی طرح بہتا تھا۔ جس سانچے میں ڈالا بس وہی چیز بن گئی۔ بتلانا یہ تھا کہ اس قوم بنی اسرائیل کو بہت ہی نعمتوں سے نوازا گیا مگر اس قوم یہود کی نافرمانی اور بدعنوانیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمتیں ان سے چھین لیں۔ (۱) تو قوم یہود کے پاس سلطنت بھی تھی جو روئے زمین پر عظیم الشان سلطنت تھی۔ (۲) ان کے اپنے پیغمبر علیہ السلام بھی تھے۔ (۳) انکے پاس کتاب (تورات) بھی تھی۔

یہود کی بربادی :- تو اس قوم یہود نے بجائے اسکے کہ فرمانبردار بنتی انتہائی نافرمانی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر جالوت کو مسلط کیا جس نے انہیں تباہ وبرباد کرکے رکھ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جالوت کو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ سے ہلاک کیا۔ قوم یہود راہ راست پر آگئی تو پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی سلطنت میں خوب قوت عطاء کی۔ مگر یہ قوم پھر خداتعالیٰ کی نافرمانی پر اتر آئی تو دوسری مرتبہ اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر کو مسلط کیا جس نے انہیں گھروں اور مسجدوں یعنی بیت المقدس سے پکڑ پکڑ کے قتل کیا، اس دن سے آج تک پھر اس قوم یہود کی سلطنت مضبوط نہ ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ قوم یہود کے پاس پیغمبر علیہ السلام، کتاب اور عظیم الشان سلطنت تھی مگر نافرمانی کی وجہ سے دو مرتبہ تباہ وبرباد بھی ہوئے اور ہمیشہ کیلئے حکمرانی سے بھی محروم ہوئے۔

مسلمان قوم کی نافرمانی :- (۱) آج کرہ ارضی پر پچاس سے زائد ممالک پر مسلمانوں کی حکومت ہے۔ (۲) مسلمانوں کے پاس کتاب بھی قرآن جیسی ہے۔ (۳) اور پیغمبر بھی اس قوم کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین نصیب ہوئے۔ کیا ہم یہود کی طرح نافرمان نہیں؟ ہم میں

کوئی کام ایسا ہے جو قرآن کے مطابق ہو ؟ ۔ تو پھر یہود کی طرح عذاب کے منتظر بھی رہو ۔

سنو ! قرآن سے بڑھکر اصول نہ عرش پر ہے نہ فرش پر ہے مگر ہم نے ملک میں انگریزوں کا قانون چلا رکھا ہے ۔ کیا یہ خدا تعالیٰ کی نافرمانی نہیں ؟ کیا اس کی سزا ہمیں خانہ جنگی کی صورت میں نہیں مل رہی ؟ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب تورات لائے تھے تو یہود نے اس پر عمل کرنے سے منہ موڑا ۔ نافرمانی کی کہنے لگے کہ ہم اس پر عمل نہیں کرسکتے ۔ آج ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم قرآن پر عمل نہیں کرسکتے حیلے بہانے بناتے ہیں ۔ یہ حیلے بہانے صرف یورپ اور امریکہ کو خوش کرنے کیلئے ہیں خدا خوب جانتا ہے ۔

فضیلت یوم جمعہ :- جمعہ کے دن کو خدا تعالیٰ نے فضیلت بخشی ہے اور ہے بھی ہمارا فائدہ خدا کو تو ضرورت نہیں مگر آج ہم بھی کہتے ہیں کہ ہم جمعہ کی چھٹی نہیں کرتے ۔ عرب میں جمعہ کی چھٹی ہے تو ان پر کونسا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے ۔ تو کیا ہم میں یہود کی خصلت نہیں کہ قرآن کو مانتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرسکتے ۔ یورپ کی ہر گندگی پر عمل کرسکتے ہیں مگر قرآن پر نہیں ہوسکتا ۔ آج اگر اسمبلی میں قرآن قائم کرنے کا وقت آئے یا کوئی بات چیت ہو تو یہ ہمارے لیڈر حیلے بناتے ہیں ۔ تو یہود بھی حیلے بناتے تھے ۔ تو جس طرح اپنے وقت کی ایک عظیم امت (یہود) ان حیلوں اور نافرمانیوں کی وجہ سے برباد ہوئی تو تم پر بھی وقت آنیوالا ہے ۔ تیار رہو ۔ تو جمعہ کے دن کی فضیلت تھی مگر یہود نے سینچر کا دن مانگا ۔ جو انہیں دیدیا گیا ۔ مگر فرمایا گیا کہ اس میں سختی ہوگی دنیا کا ہر کام اس دن حرام ہوگیا ۔ یہ قوم مچھلی کی دلدادہ تھی مگر اس دن مچھلی پکڑنا حرام تھا ۔ اللہ تعالیٰ نے امتحان لینا چاہا تو سینچر کے دن مچھلی بہت زیادہ بھیج دی ۔ تو قوم علماء سوء کے پاس گئی کہ کیا جائے ؟ انہوں نے ترکیب بتلائی کہ ساتھ تالاب بناکر اسے سمندر سے ملادو سینچر کو تالاب میں آجائے گی اتوار کو پکڑ لینا ۔ تو یہود نے یہ عمل شروع کیا (یہ ہے حیلہ سازی) ۔ تو سزا کیا ملی ؟ کہ جن علماء نے مشورہ دیا تھا وہ تو خنازیر بنادیئے گئے اور باقی لوگ بندر بنادئے گئے ۔ دور دراز سے انہیں لوگ دیکھنے آتے وہ کیا دیکھتے کہ بندر اور خنازیر غم میں کھڑے ہیں اور رو رہے ہیں کیونکہ ان میں انسانی عقل تو موجود تھی نا ۔ اب تم بھی (پاکستانی حکمرانو !) حیلے بہانے کرلو اور قرآن کو نہ اپناؤ اور سزا کیلئے تیار رہو ۔ غدارو ! دیکھا تمھاری بداعمالی کی وجہ سے بنگال میں لاکھوں مسلمان خانہ جنگی کی وجہ سے مارے گئے ، یہ سزا نہیں تو کیا ہے ؟ ادھر مغربی پاکستان میں بھی غدار بیٹھے ہیں ۔ بدبختو ! حکمرانی مسلمانوں پر کرتے ہو اور کام ہندو و انگریز کیلئے کرتے ہو ۔ مسلمانوں کے راز دشمنوں کو دیتے ہو کوئی شرم ہے ؟

عامر بن فہیرہ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آزاد کردہ غلام تھا ۔ یہ غار ثور میں بکریوں کا دودھ پہنچاتا تھا ۔ دوسرا شخص جو رہبری کے طور پر ساتھ تھا اس کا نام عبداللہ بن اریقط تھا یہ تو تھا بھی کافر ، مگر کافر کا کردار دیکھو کہ کفار مکہ کو راز بتاجائے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ غار ثور میں ہیں ۔ بالکل راز رکھا ۔ حالانکہ قریش مکہ نے راز ظاہر کرنے والے کیلئے سو اونٹ کا انعام رکھا ہوا تھا ۔ یہ بہت بڑا انعام ہے ۔ مگر کیا مجال کہ عبداللہ بن اریقط کافر ہوکر راز بتلا جائے ۔ مگر تم مسلمان حکمرانو مسلمان ہوکر ہندو اور انگریز کیلئے سی آئی ڈی کرتے ہو ۔ نہایت افسوس ہے ۔ میرے خیال میں اگر آج تم میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو ان کی بھی سی آئی ڈی کرتے ۔

(۱۸) جزئیات :- (۱) خود رومت بنو ؛ دنیا میں جتنے خود رو پودے ہیں پہلے تو انہیں پھل نہیں لگتا اگر لگتا ہے تو کڑوا ۔ (۲) پشاور کے ایک اجلاس میں ضیاء الحق صاحبؒ کو مخاطب ہوکر فرمایا ۔ ضیاء الحق صاحب سنو ! یہ یاد رکھو کہ پنجاب کا جج اور لیڈر آپ کو اسلامی نظام قائم نہیں کرنے دے گا ۔ (۳) یحییٰ قزلباشی ہے غدار ہے اسے پھانسی دو اس کی لاش کو کراچی سے پشاور تک ہر بڑے سٹیشن پر دکھاؤ تاکہ عبرت ہو اور پھر کوئی غدار پیدا نہ ہو (حضرتؒ اس وقت جامعہ اسلامیہ میں سرکاری ملازم تھے) اور یہ حق گوئی وبیبا کی ۔ سبحان اللہ ۔ (۴) قرآن کہتا ہے کہ جب ایک طاقت کو دوسری طاقت سے نہ توڑوں تو دنیا ختم ہوجائے ۔ جب مادیت انتہا کو پہنچ جائے تو اس کا توڑ پھر روحانیت سے کیا جاتا ہے ۔ جب یورپ اور امریکہ کی بدمعاشی یا جوج ماجوج کی صورت میں عروج کو پہنچے گی تو پھر اس کا توڑ روحانی قوت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات اقدس سے کیا جائے گا ۔ دنیا میں خدا تعالیٰ نے امریکہ کا توڑ روس کی شکل میں رکھا ۔ اگر دنیا میں روس کی قوت نہ ہوتی تو امریکہ زمین پر خدا نہ بن بیٹھتا ۔ پھر وہ کسی کو ایٹم بم بنانے دے گا ؟ ۔ (حضرت افغانیؒ نے یہ درس ۲ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو بیان فرمایا تھا) یعنی آج کی بات ۳۳ برس پہلے فرمائی ۔ یہ تھی سیاسی بصیرت ۔ تو آج تقریباً ۳۳ برس بعد دنیا پر صرف امریکہ ہی عظیم قوت ہے ۔ تو وہ مسلمان ملکوں پر ایٹمی اسلحہ نہ بنانیکی پابندی لگانا چاہتا ہے ۔

(۵) مقام شہید :- (۱) یرموک کی لڑائی کو تقریباً ساڑھے تیرہ سو سال ہوچکے ہیں ۔ شام کی حکومت نے کسی معاملہ کیلئے کھدائی کی تو حضرات صحابہ کرامؓ کی قبریں ملیں ۔ دیکھا گیا کہ جسم محفوظ ہیں ، کفن محفوظ ہیں اور چہرہ کی رونق بھی موجود ہے ۔ یہ ہے حضرات صحابہ کرامؓ کا مقام ۔ (ب) اسی

طرح ترنگ زئی ہمارے علاقے میں انگریزوں نے سڑک کی کھدائی کی تو ایک جگہ آکر مشین رک جائے اور جو بھی وہاں کھودنے کیلئے آئے تو وہ مر جائے۔ تو دیکھا گیا دو شہیدوں کی قبریں تھیں۔ تو انگریزوں نے سڑک کا راستہ بدل دیا۔ یہ ہے حق پر چلنے والوں کی شہادت۔ (ج) جب انگریزوں نے نئی دہلی تعمیر کی تو ایک جگہ کھدائی کے دوران مشین خراب ہوجاتی تھی اور جب کدال کے ذریعے کھدائی کی گئی تو کدال کے لوہے کو خون لگا ہوا تھا۔ دیکھا تو ایک شہید کی قبر نکلی اس میں ایک تانبے کی تختی پر لکھا ہوا تھا: " درمعرکہ احمد شاہ ابدالیؒ شہید شدند۔ کہ احمد شاہؒ ابدالی کے حملے کے دوران شہید ہوئے۔

(۶) لفظ فرعون کی تحقیق:- (ا) مصر کے بادشاہ کو فرعون کہا جاتا تھا۔ (ب) ایران کے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا۔ (ج) روم کے ہر بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا۔ (د) چین کے ہر بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا۔

+ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام (ریان) تھا۔ یہ مؤمن تھا۔

+ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام ولید بن مصعب بن ریان تھا۔

+ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے کے فرعون کا نام قبطی زبان میں (من فتح) تھا۔ اور عربی زبان میں (ارعمیس) تھا۔ یہ کافر تھا۔ + حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے کا فرعون (ریان) یہ مؤمن تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فرعون (ارعمیس) کافر کا دادا تھا ان دونوں کے درمیان چار سو سال کا زمانہ گزرا ہے۔

(۷) معنی فاراع:- فاراع کا معنی سورج قبطی زبان میں۔ تو فرعون کا لفظ اسی فاراع سے نکالا گیا ہے چونکہ یہ لوگ سورج کی پوجا کیا کرتے تھے تو اس لئے مصر کے بادشاہ کا نام (فارعن) رکھا۔ یعنی سورج کی طاقت کا مظہر ہے۔ پھر اس میں تصرف کرکے (فرعن) بنایا تو جب عربی زبان میں تصرف کیا گیا تو فرعون ہوگیا۔

فرعون کا قبیلہ:- تو فرعون کس قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے؟۔ بعضوں نے مصر کے پرانے قبطی باشندے مراد لئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ایران کے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ عرب کی عمالقہ قوم سے ہیں۔ یہ قول راجح ہے۔ جب سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود کی سختی کے بعد مصر کے علاقے میں ہجرت کرکے چلے آئے تو اس کے بعد تمام پیغمبر علیہ السلام مصر میں آئے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی عرب کا علاقہ ہے۔

(۸) بڑی آیت:- حضرت ابیؓ ابن کعب فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا

ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ تمھیں قرآن کی سب سے بڑی آیت (یعنی بڑی مرتبے والی) آیت نہ بتلادوں ؟ یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پھر فرمایا کہ تیرے خیال میں وہ کون سی ہوسکتی ہے ؟ میں نے کہا آیۃ الکرسی۔ تو آپؐ نے فرمایا " ھنیئاً العلم " کہ تجھے یہ علم مبارک ہو۔ دنیادارو سن لو! یہ مبارکبادی اس قرآن کے علم پر دی جا رہی ہے جس کو تم اپناتے نہیں ہو۔ کوئی لندن کی ڈگریوں پر مبارکباد نہیں دی جارہی جن کے پیچھے تم وقت اور دولت برباد کررہے ہو۔ قرآن قبر سے آگے جائے گا اور لندن کی ڈگریاں قبر سے ادھر رہ جائیں گی۔

(۹) قرآن کی معنوی تحریف :۔ یہود نے اپنی کتاب تورات میں تحریف کی، آج ہم نے بھی تحریف کررکھی ہے۔ لفظی تحریف کی تو جرات نہیں ہوئی البتہ معنوی تحریف کی ہے۔ (ا) ڈپٹی نذیراحمد نے کسی پروفیسر کے قرآن کے میں لکھا: " اطیعواللّٰہ واطیعوالرسول ولولی الامر " (منکم) کا لفظ نہیں لکھا۔ معنی یہ بنا کہ اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حاکم وقت کی تابعداری کرو، بس۔ منکم لکھتے تو معنی بنتا کہ تمھیں مسلمانوں میں سے حاکم ہو اس کی اطاعت کرو۔ صرف انگریز کو خوشی کرنے کیلئے معنوی تحریف کی کیونکہ اس وقت انگریز کی حکومت تھی۔ (ب) اسی طرح سرسید نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ تم پر کوئی سیاہ فام بھی امیر ہو تو اس کی بات مانو یہ تو سفید فام ہیں۔ یہ بھی انگریز کی طرفداری کی۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ انسانوں میں سب سے زیادہ مظلوم سیدنا حضرت امام حسینؓ مظلوم ہیں اور کتابوں میں سب سے زیادہ مظلوم قرآن پاک ہے، کہ جو بھی اٹھتا ہے اس میں معنوی تحریف کرتا ہے۔ اب تو نفاق عام ہوچکا ہے۔ اعتقادی نفاق تو کفر ہے۔ آج ہمارے پاکستان میں ہر مرتد پل رہا ہے اور پھیل رہا ہے، مگر صحابہ کرامؓ کی شان دیکھو کہ چار ہزار صحابہ کرامؓ نے شہادت پاکر مسلیمہ کذاب کے فتنہ ارتداد کو ختم کیا، اسے پھیلنے نہیں دیا۔

(۱۰) عظمت رسالت کا مرتبہ چھوٹ جانے سے ارتداد کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل :۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔ کہ ان میں اقامت دین کا سلسلہ انبیاء علیھم السلام سے ہوتا تھا اور میری امت میں علماء کے ذریعے ہوتا رہے گا۔ " والراسخون فی العلم " (کہ پختہ عالم دین ہو)، یعنی ہر داڑھی والے کو عالم نہ کہو بلکہ سوچو کہ پختہ عالم کون ہے ؟ خدا تعالیٰ کا مقصود بھی پختہ عالم ہے۔ " انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء " (اللہ تعالیٰ سے وہی

ڈرتے ہیں جنہیں علم ہو)۔ صرف پکا و پختہ علم کافی نہیں بلکہ ساتھ تقویٰ بھی ہو۔ تو یہ سلسلہ بنی اسرائیل یعنی (یہود) میں نہ رہا۔ تو نتیجہ کیا نکلا؟ کہ پیغمبر علیہ السلام کے ہوتے ہوئے مرتد ہو گئے۔ آج ہماری بھی وہی حالت ہے۔

(۱۱) ایمان کی نعمت :- عرش سے فرش تک کلِ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ سب سے بڑی نعمت ایمان ہے اور سب سے بڑا قہر کفر ہے۔ سارے جہان کی نعمتیں جمع ہوجائیں تو ایمان کی نعمت کے برابر ریت کا ایک ذرہ بھی نہیں۔ اسی طرح سارے جہان کی تمام مضرات (تکلیفیں) جمع ہوجائیں تو کفر کے سامنے ایک ذرہ بھی نہیں۔ " قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا " (کہدے کہ یہ قرآن رحمت و فضل بھی ہے تو انہیں چاہئے کہ اس پر خوش ہوں)۔ تو اگر تم نے خوش ہونا ہے یا کوئی جشن منانا ہے تو اس قرآن کا جشن مناؤ۔ بزرگوں کا قول ہے کہ قرآن دنیاوی زندگی کو نیم جنت بنادیتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے غم نہیں رہتا۔ بڑے بڑے ارب پتی بیان دیتے ہیں کہ دولت تو بہت ہے مگر قلب میں چین نہیں۔ " الا بذکر اللہ تطمئن القلوب " (ذکر اللہ سے دل مطمئن ہوتا ہے) یعنی اطمینان قلب تو ذکر خدا سے ہے۔ ایمان کی نعمت سے زندگی کا وہ مقام ملتا ہے کہ بہشت کے اندر ایک چابک کے برابر جگہ کا جو ٹکڑا ہے وہ پوری دنیا سے بہتر ہے۔ یہ ہے ایمان کی دولت۔ اور اگر ایمان کے بعد تھوڑا سا عمل صالح ہو تو یہ بھی معاوضہ کے اعتبار سے پوری دنیا سے زیادہ ہے۔

(۱۹) دیدار الٰہی :- سب سے اعلیٰ مقام کی اعلیٰ چیز رویت خداتعالیٰ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (ا) خواب میں (ب) بیداری میں۔ (ا) یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ خدا تعالیٰ خواب میں جس مؤمن کو دیدار کرادیں وہ برحق ہے۔ ایک بزرگ قاری عبدالرحمن رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں انہوں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ قرآن کا رکوع تو سناؤ، تو قاری صاحبؒ نے رکوع سنایا۔ جب اس آیت کو پڑھا " وھوالقاھر فوق عبادہ " تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اب تو میں تیرے سامنے ہوں تو اب تم اس طرح پڑھو۔ " وانت القاھر فوق عبادک " تو قاری صاحبؒ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ کس نیکی سے تیرا قرب اور تیری خوشنودی حاصل کی جاسکتی ہے؟ تو خداتعالیٰ نے فرمایا قرآن کی تلاوت سے میرا قرب اور خوشنودی حاصل کرسکتے ہو۔ قرآن چاہے نماز میں چاہے غیر نماز میں تلاوت کرے۔ اگر معنی جانتا ہو تو بہتر ہے۔ یہ تین سوال وجواب ہوئے۔ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی پوری زندگی میں خدا

تعالیٰ کی زیارت خوابوں میں سو سو دفعہ کی ہے ۔ (۲) بیداری میں :- اب رہا مسئلہ بیداری میں خداتعالیٰ کے دیدار کا تو اس میں بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ زمین پر دیدار ہوجائے دوم یہ کہ عرش پر ہو ۔ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اگرچہ دیدار الہیٰ کا زمین پر ہونا ممکن ہے مگر زمین پر کسی کو ہوا نہیں ۔ خواب نبیؐ کی ذات اقدس ہو یا غیر نبی ہے ۔ ناممکن اسلئے نہیں کہ ناممکن چیز کا پیغمبرؑ سوال نہیں کرتا ۔ اگر ناممکن ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سوال نہ کرتے ۔

" وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک " تو بیداری میں کسی کو زمین پر دیدار الہیٰ نہیں ہوا اور عرش پر صرف حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار بھی ہوا اور ہم کلامی بھی ہوئی ۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک صحابیؓ نے سوال کیا کہ دیدار کیسے کیا ؟ جواب : آپؐ نے فرمایا کہ نور کی شکل میں دیکھا ۔

محل دیدار :- محل دیدار چونکہ جنت ہے تو جنت کی زندگی قوی ہے کیونکہ جنت میں نہ مرض نہ کمزوری اور نہ موت ہوگی ۔ تو جنت میں جانے کے لئے ایمان ضروری ہے ۔ ایمان جس درجے کا ہوگا حسب مراتب دیدار الہیٰ ہوا کرے گا ۔ کسی کو روزانہ ، کسی کو دن میں صبح وشام ، کسی کو سال وغیرہ بعد ۔ آخرت میں دیدار الہیٰ کے صرف شیعہ قائل نہیں باقی تمام مسلمان قائل ہیں ۔ شیعہ کا استدلال قرآنی غلط ہے ۔ اس کا جواب علماء کرام نے دیا ہے ۔

(۲۰) سیاسی بصیرت :- المیہ مشرقی پاکستان کے موقعہ پر حضرت افغانیؒ درس قرآن بیان کررہے تھے ۔ آپ کے چہرے پر رنج والم کے آثار نمایاں تھے ۔ فرمایا کہ یہ (لیڈر) تو کہتے ہیں کہ علماء سیاست نہیں جانتے ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ (لیڈر) ابھی بچوں سے بھی گئے گزرے ہیں ۔ سانحہ مشرقی پاکستان دراصل چین کے گرد دائرہ تنگ کرنے کے سلسلے کی ایک کڑی ہے ۔ دیکھو دنیا میں اس وقت تین قوتیں ہیں ۔ امریکہ ، روس اور چین ۔ تینوں کو آپس میں بعض امور میں اتفاق ہے اور بعض امور میں اختلاف ہے ۔ روس اور چین نے مل کر ویٹ کانگ میں امریکہ کو بہت نقصان پہنچایا اور روس اور امریکہ چین کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہیں ۔

افرادی قوت :- افرادی قوت میں چین تنہا دونوں سے بڑھ کر ہے ۔

آلات حرب :- آلات حرب میں روس اور امریکہ اگر بیس درجے کو پہنچے ہوئے ہیں تو چین اٹھارہ درجے ہے ۔ تو یہ دونوں بڑے ملک چین کی بڑھتی ہوئی قوت سے خائف ہیں ۔ تو سانحہ مشرقی پاکستان کی سازش واشنگٹن اور کریملن میں تیار ہوئی ۔ بھارت کی طرف سے چین پر حملہ نہیں کیا

جاسکتا کیونکہ درمیان میں ہمالہ پڑا ہے۔ صرف ایک سمندری راستہ ہے جو مشرقی پاکستان کے قریب سے گزرتا ہے تو یہ سوچا گیا کہ پہلے مشرقی پاکستان کو لیا جائے۔

جنگی معاہدہ:- ہمارے پاکستانی لیڈر سیاست کی تو ابجد بھی نہیں جانتے۔ امریکہ سے جب جنگی معاہدہ کیا گیا تھا تو اس نے اسی وقت دھوکہ کیا کہ اگر پاکستان پر (کسی کمیونسٹ ملک) نے حملہ کیا تو امریکہ پاکستان کی مدد کرے گا۔ ان لیڈروں کو اتنا بھی علم نہیں کہ کمیونسٹ ملک چین ہے اور وہ ہم پر حملہ نہیں کرے گا کیونکہ وہ ہمارا دوست ملک ہے۔ رہا روس تو اس ملک سے ہماری سرحد صرف گلگت کے مقام پر معمولی سی جگہ روس سے ملتی ہے وہاں سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں۔ انہیں تو جنگی معاہدہ میں کھل کر ہندوستان کا نام لینا چاہئے تھا کیونکہ ہندوستان ہی ہمارا دشمن ہے اور ہمیں اسی سے ہی خطرہ ہے اور وہی کچھ ہوا مگر یہ بھی غداری ہوئی کچھ لیڈر اور کچھ فوجی خریدے گئے وگرنہ ہماری پاک فوج سے دنیا کی کسی فوج کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا۔ خدا تعالیٰ نے ہماری پاک فوج کو جو اوصاف بخشی ہیں وہ دنیا کے کسی ملک کی فوج میں نہیں۔

* بقیہ صـ 31 پر....

دوسری فقہی کانفرنس بنوں

المرکز الاسلامی بنوں میں مورخہ ۱۷۔ ۱۸ اکتوبر بروز ہفتہ، اتوار ۱۹۹۸ء کو منعقد ہو رہی ہے۔ جس میں ملک و بیرون ملک کے مایہ ناز علماء کرام، تاریخ ساز شخصیات، محققین اور مفکرین اسلام گرانقدر مقالات پیش کریں گے۔ جو آئندہ کے لئے تاریخی دستاویز ثابت ہوں گے۔ اگر آپ موجودہ دور کے حل طلب مسائل میں امت اسلامیہ کی رہبری و رہنمائی کے لئے مخلصانہ جذبہ رکھتے ہوئے کوئی علمی مضمون یا تحقیقی مقالہ تیار کرسکتے ہیں یا آپ کی نظر میں کوئی شخصیت ایسی ہو جسکے کارہائے نمایاں پر آپ اپنی نگارشات پیش کرسکتے ہیں تو براہ کرم نیچے دئے ہوئے پتہ پر رابطہ قائم کرکے مزید معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔

فون نمبر: ۲۰۹۸ (۰۹۲۶۱) ۰، ۶۱۰۳۲۶ ۔ (۰۹۲۸) فیکس: ۳۳۲۴ ۔ (۰۹۲۸)

مولانا سید نصیب علی شاہ ہاشمی۔ رئیس المرکز الاسلامی بنوں (پاکستان)

قسط نمبرا

جناب مولانا محمد شہاب الدین ندوی صاحب
بنگلور نمبر ۲۹ (انڈیا)

انبیاءؑ کا مشن اور علماء کی ذمہ داریاں
اور عصر جدید میں رسالت محمدی کا نیا اعجاز

ا۔ اختلافی مسائل میں فیصلہ کرنے والی کتاب :- قرآن عظیم جس طرح تشریعی اعتبار سے ایک جامع اور مکمل صحیفہ ہے اسی طرح وہ تکوینی (نیچرل) لحاظ سے بھی ابدی حقائق وکوائف پر مشتمل ایک بے مثال اور حیرت انگیز مجموعہ ہے اور اس کا بنیادی مقصد نوع انسانی کی فکری اور عملی دونوں میدانوں میں اصلاح و رہنمائی ہے۔ یعنی جہاں ایک طرف وہ فکرونظر کی اصلاح کرتے ہوئے غلط افکار وعقائد اور بے بنیاد فلسفوں کا مدلل طور پر رد کرتا ہے تو دوسری طرف شرعی و اخلاقی حیثیت سے انسانی عمل وکردار کو درست کرنے پر بھی بدلائل زور دیتا ہے، تاکہ اس کے نتیجے میں ایک ایسا خدا پرستانہ اور متوازن معاشرہ وجود میں آئے جو افراط وتفریط سے پاک ہو۔ غرض یہ صحیفہ حکمت فطرت وشریعت کی آمیزش کا ایک انوکھا اور منفرد مجموعہ ہے جو افکار و اقدار سے بھرپور انسان کی جملہ ضروریات کا حامل اور ہر حیثیت سے جامع ترین صحیفہ ہدایت ہے اور اس کا ایک اور بہت بڑا وصف یہ بھی ہے کہ وہ قیامت تک پیش آنے والے تمام انسانی افکار و نظریات اور غلط قسم کے فلسفیانہ رجحانات پر اپنے مخصوص انداز میں اور بے لاگ تنقید وتبصرہ کرتا ہے اور نوع انسان کے فکری اختلافات کے درمیان فیصلہ ومحاکمہ کرتا ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم میں انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت کا اولین مقصد یہی بتایا گیا ہے کہ وہ ہر دور میں انسانی افکار ونظریات اور ان کے باہمی اختلافات کے درمیان محاکمہ (فیصلہ) کرتے ہوئے صحیح عقائد و افکار کی ترویج کریں اور عقلی دلائل کی روشنی میں خدائی ہدایت کی وضاحت کریں تاکہ اللہ تعالیٰ پر راہ ہدایت واضح نہ کرنے کا الزام عائد نہ ہو۔ جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ان حقائق پر بھرپور روشنی پڑتی ہے۔ " كان الناس امة واحدة ، فبعث الله النبين مبشرين ومنذرين وانزل معهم الكتب بالحق ليحكم بين الناس فيما اختلفوا فيه " (ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی دین پر تھے (پھر جب انہوں نے باہم اختلاف کیا تو) اللہ نے انبیاء کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے

والے بناکر بھیجا اور ان کے ساتھ اپنی کتاب حقانیت کے ساتھ بھیج دی تاکہ وہ لوگوں کے باہمی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرسکے۔ (بقرہ: ۲۱۳)۔ " رسلاً مبشرین ومنذرین لئلایکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسول " (ہم نے) پیغمبروں کو خوشخبری سنانے اور ڈرانے والے بناکر بھیجا تاکہ پیغمبروں کے بعد لوگوں کا اللہ پر کوئی الزام نہ رہے۔ (نساء: ۱۶۰)

" لقد ارسلنا رسلنا بالبینت وانزلنا معھم الکتب والمیزان لیقوم الناس بالقسط "
(ہم نے اپنے رسولوں کو یقیناً واضح دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان اتاردی تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔ (حدید ۲۵)۔ چنانچہ ان تینوں مقامات کے مطالعہ سے مجموعی طور پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نوع انسانی کے فکری اختلافات کو دور کرنے اور خداپرستی کے پرچار کیلئے انبیائے کرام کو اہل ایمان کیلئے مبشر اور منکرین کے لئے منذر بناکر بھیجتا رہا ہے
اور انہیں کتاب ہدایت اور معجزات بھی عطا کرتا رہا ہے۔ اور یہ معجزے دلیل رسالت ہوا کرتے ہیں۔ یعنی ہر نبی کو اسکی نبوت کی نشانی کے طور پر کوئی نہ کوئی معجزہ عطا کیا گیا ہے اور کتاب میں دو چیزیں ہوا کرتی ہیں: ایک لوگوں کے فکری اختلافات کا حل اور دوسرے شرعی واخلاقی ضوابط۔ اس اعتبار سے انبیائے کرام کی بعثت کا اولین مقصد لوگوں کے فکری اختلافات دور کرکے انہیں ایک نقطہ پر جمع کرنا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اپنی اس سنت جاریہ کے مطابق پیغمبر آخرزمان حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسا ابدی وسرمدی معجزہ عنایت فرمایا جو قیامت تک پیش آنے والے ہر قسم کے فکری ونظریاتی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے نوع انسان کی انحرافی ذہنیت کا توڑ کرسکتا ہے اور دلیل واستدلال کے میدان میں خدائی حجت کو غالب کرکے انسان کو صحیح راستہ دکھاسکتا ہے۔ اسی وجہ سے صحف سماوی کی اس آخری کڑی کو ہر قسم کے عقلی ومنطقی اور علمی وسائنٹیفک دلائل سے مزین وآراستہ کردیا گیا ہے: " ھدیً للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان " (یہ قرآن) لوگوں کے ہدایت نامہ ہے اور اس میں ہدایت اور حق وباطل میں تمیز کے دلائل موجود ہیں۔ (بقرہ: ۱۸۰) " ھوالذی ینزل علی عبدہ ایت بینت لیخرجکم من الظلمت الی النور، وان اللہ بکم لرء وف رحیم " (وہی ہے جو اپنے بندے پر واضح دلائل اتار رہا ہے تاکہ وہ تمھیں تاریکی سے روشنی میں لے آئے اور اللہ یقیناً تم پر بڑا مہربان اور رحمدل ہے۔ (حدید: ۹)

" ولقدانزلناالیک ایت بینت، ومایکفر بھاالا الفاسقون "
(اورہم نے آپکے پاس روشن دلائل بھیج دیئے ہیں۔ جنکا انکار فاسق لوگ ہی کرسکتے ہیں۔ (بقرہ: ۹۹)

" قل فللہ الحجۃ البالغۃ " (کہہ دو کہ اللہ ہی کی حجت (اپنی غایت تک) پہنچنے والی ہوگی۔ (انعام: ۱۴۹)۔ یہ آیات اس بے غبار حقیقت پر سے پردہ اٹھارہی ہیں کہ قرآن حکیم خدائی دلائل و براہین کا مجموعہ جو " آیات بینات " سے لبریز ہے اور اس کا بنیادی مقصد دین الٰہی سے منحرف لوگوں کو راہ راست پر لانا ہے اور یہ آیات بینات (روشن دلائل) نوع انسانی کے فکری ونظریاتی اختلافات میں فیصلہ کرتے ہوئے انہیں راہ ہدایت دکھانے والے ہیں جو اتنے روشن اور واضح ہیں کہ ان کا انکار فاسق اور بدکردار لوگ ہی کرسکتے ہیں جو ضد اور ہٹ دھرمی کا راستہ اختیار کرنے والے ہوں۔ غرض ہر دور میں خدائے علیم وخبیر ہی کے دلیل وحجت عقلی ومنطقی اعتبار سے غالب رہے گی اور قیامت کے دن اس پر کسی قسم کا الزام عائد نہ ہوسکے گا۔ اس بحث سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ کتاب الٰہی میں بنیادی طور پر دو چیزیں پائی جاتی ہیں۔ ایک نوع انسانی کے فکری اختلافات کا دل اور ان پر محاکمہ اور دوسرے خدائی دلائل وبراہین کا وجود۔ اس لحاظ سے کتاب اللہ "کتاب افکار" اور "کتاب دلائل" ہے۔ گویا کہ یہ فکر انسانی اور اس پر خدائی محاکمہ کرنے والی ایک مختصر ترین اور تاریخی انسائیکوپیڈیا ہے، جو ماضی، حال اور مستقبل کے تمام احوال وکوائف کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ چنانچہ قرآن حکیم اس حیثیت سے بھی اپنا تعارف خود اس طرح کراتا ہے:

" وانہ لذکرلک ولقومک " (یہ قرآن یقیناً آپ کے اور آپکی قوم کے تذکرہ (پر مشتمل) ہے۔ (زخرف: ۴۴)۔ " ان ھوالا ذکر للعلمین " (یہ تو سارے جہاں کیلئے ایک تذکرہ ہے۔(تکویر: ۲۷) " بل اتیناھم بذکرھم فھم عن ذکرھم معرضون " (بلکہ ہم تو ان کا تذکرہ لے کر ان کے پاس آئے ہیں مگر وہ اپنے تذکرہ سے منہ موڑرہے ہیں۔ (مؤمنون: ۷۱) " لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ افلا تعقلون " (یقیناً ہم نے تمھارے پاس ایک ایسی کتاب بھیج دی ہے جس میں تمھارا تذکرہ موجود ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں؟ (انبیاء: ۱۰)۔ یہ تمام آیات مجموعی اعتبار سے اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی ہیں کہ اس معجزنما کلام حکمت میں پوری نوع انسانی کا " تذکرہ" یا اس کی " فکری داستان" اعجازی انداز میں موجود ہے چاہے اس کا تعلق کسی بھی دورے سے کیوں نہ ہو۔ اسی وجہ سے اوپر مذکور آخری آیت میں خطاب ہر دور کے لوگوں سے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ ہر دور کا انسان اپنے علوم وفنون اور اپنے فلسفوں کی روشنی میں اپنا تذکرہ یا اپنی داستان اس کلام بلاغت رقم میں تلاش کرسکتا ہے۔ اور صحیفہ خداوندی کی اصلی بلاغت یہی ہے جو اس کے لفظی بلاغت سے زیادہ حکیمانہ اور ہر عجمی وعربی کے لئے قابل فہم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ نوع انسانی کے افکار ونظریات کا تحلیل و

تجزیہ اور ان کے اختلافات پر محاکمہ کون کرے گا اور یہ فریضہ کس کے ذمہ ہے ؟ تو اس کا جواب بھی خود قرآن ہی نے دیا ہے کہ یہ فریضہ اصولی طور پر انبیاء کرام علیھم السلام کے ذمہ ہے کہ وہ کتاب الٰہیٰ کی روشنی میں یہ خدمت انجام دیا کریں ۔ جیسا کہ اوپر مذکور سورہ بقرہ کی آیت اس حقیقت پر روشنی ڈال رہی ہے اور اس کا آخری فقرہ یہ ہے : " لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ " (تاکہ وہ (کتاب الٰہیٰ) لوگوں کے باہمی اختلافات کے درمیان فیصلہ کرسکے ۔

(بقرہ : ۲۱۳) ۔ اس اعتبار سے کتاب الٰہیٰ میں ہر دور کا " حکم " موجود رہتا ہے اور وہ ہر دور کے لئے " حاکم " یا جج کی حیثیت رکھتی ہے ۔ اسی بنا پر ایک دوسرے موقع پر کہا گیا ہے کہ تم اپنے کسی بھی " مسئلے " میں اختلاف کر بیٹھو تو اس کا محاکمہ کتاب الٰہیٰ کی روشنی میں ہوگا ۔ جس میں تمھارے تمام شرعی وفکری مسائل کا حل موجود ہے : " وما اختلفتم فیہ من شئی فحکمہ الی اللہ " (اور تم جس بات میں بھی اختلاف کر بیٹھو تو اس کا فیصلہ اللہ کے سپرد ہے ۔ (شوریٰ : ۱۰) ۔ اسی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان پائے جانے والے اختلافی مسائل میں کتاب اللہ کی روشنی میں فیصلہ کریں ، جیسا کہ حسب ذیل آیت سے ثابت ہوتا ہے ۔ " وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم ولعلھم یتفکرون " (اور ہم نے آپ کے پاس یہ تذکرہ (قرآن) بھیج دیا ہے تاکہ آپ اس کے مضامین کی وضاحت کردیں اور پھر وہ (ان مضامین میں) غور کرسکیں ۔ (نحل : ۴۴) " وما انزلنا علیک الکتب الالتبین لھم الذی اختلفوا فیہ ' وھدیً ورحمۃً لقوم یؤمنون " اور ہم نے آپ پر یہ کتاب اسی غرض سے اتاری ہے کہ آپ لوگوں کے اختلافات کو کھول کر بیان کردیں اور وہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت ورحمت کا باعث بن سکے ۔ (نحل : ۶۴) " انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما راک اللہ ولا تکن للخائنین خصیماً " (ہم نے یہ کتاب آپ کے پاس یقیناً حقانیت کے ساتھ بھیج دی ہے تاکہ آپ اللہ کی فہمائش کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرسکیں آپ بددیانت لوگوں کے طرفدار مت بنئے ۔ (نساء : ۱۰۵) ۔ اس اعتبار سے منصب نبوت میں شرعی وقانونی مسائل کی تشریح وتوجیہہ اور باہمی نزاعات میں عدالتی فیصلوں کے ساتھ ساتھ فکری واختلافی مسائل پر محاکمہ بھی شامل ہے اور یہ آیات ہر اعتبار سے جامع اور وسیع ترین کلیات کی حامل ہیں ۔ اور مذکورہ بالا تصریحات کے مطابق ان تمام اختلافی امور ومسائل کے اصول وکلیات قرآن عظیم میں موجود ہیں جن کی تشریح وتفسیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھی ، اور آپ کے بعد یہ

ذمہ داری وارثین رسولؐ پر عائد ہوتی ہے۔ قرآن عظیم چونکہ ہر دور کیلئے کتاب ہدایت ہے اس لئے ہر دور میں ایسے علماء کی موجودگی ضروری ہے، جو نوع انسانی کے فکری ونظریاتی مسائل میں اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اسکے بے مثال کتاب حکمت سے استدلال کرکے اسکے درمیان پائے جانے والے اختلافات میں قول وفیصل سنانے والے ہوں۔ ظاہر ہے کہ علماء کتاب اللہ کے امین ہیں، لہذا یہ انہیں کا مقام ومنصب ہے اور اس لحاظ سے ہر دور کے علماء پر بہت بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اپنے دور کے علوم وفنون اور فلسفوں کا جائزہ لے کر اختلاف بین الناس کے درمیان محاکمہ کریں اور خدائی دلائل وبراہین کے نشاندہی کرکے نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کا باعث بنیں۔ چنانچہ حسب ذیل آیت کریمہ کی رو سے ثابت ہوتا ہے کہ "اہل ذکر" یا اہل قرآن کو تمام قرآنی مسائل" سے آگاہ رہنا چاہئیے، تاکہ عوام یا "غیر عالم" لوگ ان سے کسی مسئلے میں سوال کریں تو وہ صحیح جواب دے سکیں۔ "فسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون" (اگر تم کو (کوئی بات) معلوم نہیں ہے تو اہل علم سے پوچھ لو (نحل: ۴۳)۔ اس آیت کریمہ کا تقاضہ ہے کہ تمام قرآنی مسائل سے آگاہ اہل علم کی ایک جماعت ہر دور میں موجود رہے تاکہ وہ لوگوں کا مرجع وماویٰ بن سکے اور امت کو درپیش ہر مسئلے اور ہر تنازعے کا معقول جواب دے سکے۔ واضح رہے اس سے صرف شرعی مسائل مراد نہیں ہیں اور اس آیت کریمہ میں اس قسم کی کوئی تحدید یا کوئی دلیل موجود نہیں ہے، بلکہ یہ آیت سیاق وسباق کے لحاظ سے بھی قرآن حکیم کے کل موضوعات اور اس کے جملہ علوم ومسائل پر حاوی دکھائی دیتی ہے۔ چنانچہ اسکے بعد متصلاً وہ آیت کریمہ مذکور ہے جس میں مندرجات کی تشریح وتوجیہ ہے اور یہ آیت اوپر گزر چکی ہے اور اس کی مزید دلیل یہ ہے کہ ان دونوں آیتوں میں "ذکر" کا لفظ مشترکہ طور پر موجود ہے۔ واضح رہے بہت سے مقامات میں قرآن حکیم کو بطور ایک وصف ذکر کے لفظ سے موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ وہ اپنے نادر اور حیرت انگیز "تذکروں" کی بنا پر عالم انسانی کو "متنبہ" کرنے یا "چونکانے والا" دکھائی دیتا ہے۔ بہرحال ایک دوسرے مقام پر علماء کے مقام ومنصب کے بارے میں ارشاد ہے: "كتاب انزلناه اليك مبارك ليدبروا اياته وليتذكر اولوالالباب" (یہ ایسی مبارک کتاب ہے جو ہم نے آپ کے پاس بھیج دی ہے تاکہ وہ (لوگ) اسکی آیات میں تدبر کریں اور پختہ عقل والے (اسکے انوکھے مضامین پر) متنبہ ہوسکیں) (ص: ۲۹)۔ دیکھئے اس موقع پر "تذکر" کا جو لفظ لایا گیا ہے وہ بھی "تنبہ" پر دلالت کررہا ہے یعنی ذہن میں بطور "حدس" کوئی بات یا کوئی بھولی بیسری حقیقت آجانا اور یہ بات عموماً اس وقت ہوتی ہے جب کسی حقیقت کو دیکھ کر اچانک ذہن میں کوئی دوسری

حقیقت خود بخود آجائے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ عصری علوم وفنون کے حقائق کو مستحضر رکھتے ہوئے قرآن حکیم کے ابدی حقائق کا مطالعہ اور ان دونوں کا تقابل کیا جائے۔ اسکے نتیجے میں عجیب وغریب معانی ومطالب ذہن میں آنے لگتے ہیں اور اسرارومعارف خود بخود کھلتے چلے جاتے ہیں۔ تب قرآن عظیم کا علمی اعجاز کھل کر سامنے آتا ہے اور خدائے علیم وخبیر کے "احاطہ جزئیات" کی حقیقت وکیفیت منکشف ہوجاتی ہے کہ اسکا علم ازلی مستقبل میں پیش آنے والے تمام علوم ومسائل اور کائنات کے ایک ایک جزئیہ پر محیط ہے اور اس عالم ہست وبود کی کوئی چیز اسکی باریک بیں نظروں سے اوجھل نہیں ہے۔ اسطرح اسکے علم ازلی کا آفاقی اور عینی وبصری طور پر مشاہدہ ہوجاتا ہے اور اسی علم ازلی کی بنا پر اس نے اپنے کلام برحق میں ہر چیز کی پہلے ہی سے خبر دے رکھی ہے تاکہ علوم وفنون کے ترقی کے بعد اس کلام حکمت کے جلوے ظاہر ہوں اور لوگوں کو یقین ہوجائے کہ اس عالم عالم رنگ وبو کے ماوراء ایک عظیم اور عالی صفات ہستی ضرور جلوہ افروز ہے جو پس پردہ رہ کر اپنے فوق الطبعی کرشمے دکھارہی ہے اور اسکے وجود کی نشانیوں سے یہ پورا صحیفہ فطرت پٹا پڑا ہے۔

غرض قرآن اور علوم وفنون کے تقابل سے دو قسم کی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ایک قرآنی حقائق ومعارف سے مطابقت رکھنے والی اور دوسرے اسکی مخالفت کرنے والی۔ لہذا جو باہمی مطابقت رکھنے والی ہوں وہ حق ہیں اور جو اس سے ٹکرانے والی ہیں وہ باطل ہیں۔ اس طرح قرآن عظیم اپنے "فرقان" ہونے کے اعتبار سے "حق اور باطل میں فیصلہ کرنے والا" قرار پاتا ہے اور یہی اسکا وہ زبردست روپ ہے جو " لیحکم بین الناس فیما اختلفوا فیہ " (بقرہ: ۲۱۳) کے عین مطابق ہے گویا کہ اس کتاب حکمت میں "افکارونظریات" تلتے ہیں اوروہ ایک ایسی میزان ہے جو کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرنے والی ہے۔ چنانچہ شیخ الاسلام علامہ ابن یتمیہؒ نے تحریر کیا ہے کہ کتاب الہیٰ میں علمی وفلسفیانہ ہر قسم کے اختلافات پر محاکمہ موجود ہے۔ جب کتاب وسنت کے نصوص اور اہل اصطلاحات کے معانی ومطالب کا تقابل کیا جائے تو حکم الہی ظاہر ہوجائے گا۔ اور اس کیلئے کتاب وسنت اور اہل فنون کے الفاظ ومعانی کی معرفت ضروری ہے۔ جس کے نتیجے میں کتاب اللہ کی موافقت یا مخالفت ظاہر ہوجائے گی (۱)۔ اور امام شافعیؒ "کتاب اللہ کی ہمہ گیر اور اس کی جامعیت کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ جب بھی کسی دیندار شخص کیلئے کوئی نیا مسئلہ پیش آئے تو کتاب الہی میں اس کی دلیل (حل) بطور ہدایت ضرور مل جائے گی۔" قال الشافعی

(۱) خلاصہ از موافقۃ صحیح المنقول: ۱/ ۵۶ دارالکتب العلمیۃ بیروت ۱۹۸۵ء

فلیست تنزل باحد من اهل دین الله نازلة الاوفی کتاب الله الدلیل علی سبیل الهدیٰ فیها" (۲) اور پھر موصوف نے اپنے اس دعوے کے ثبوت میں حسب ذیل آیات پیش کی ہیں : " کتاب انزلنه الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور " (یہ کتاب ہم نے تجھ پر اتاری ہے تاکہ تو لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لائے)۔ (ابراھیم : ۱)

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیهم ولعلهم یتفکرون " (اور ہم نے آپ کے پاس یہ تذکرہ (قرآن) بھیج دیا ہے تاکہ آپ اس کے مضامین کو کھول کر بیان کردیں اور وہ ان میں غور کرسکیں)۔ (نحل : ۴۴)۔ " ونزلنا علیک الکتب تبیاناً لکل شئیٍ وهدیً ورحمةً وبشریٰ للمسلمین " (اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کردی ہے جو ہر چیز کی خوب وضاحت کرنے والی ہے اور وہ اہل اسلام کےلئے ہدایت رحمت اور خوشخبری ہے ۔ (نحل : ۸۹) چنانچہ قرآن حکیم کے یہ بیانات جس طرح شرعی واخلاقی اور قانونی مسائل کے جامع ہیں اسی طرح وہ فکری ونظریاتی علوم ومسائل کے بھی جامع ہیں ۔ کیونکہ یہ کلام ہر اعتبار سے بنی آدم کیلئے ہادی ورہنما ہے ۔ چونکہ ہر دور میں دین الٰہی کی تجدید ضروری ہوتی ہے اس لئے خدائے علیم وخبیر نے اپنے ابدی وسرمدی کلام کو تمام علوم اور ہر قسم کے علمی اسرار ومعارف سے لیس کردیا ہے تاکہ وہ ہر دور

نخرفانہ نظریات اور مادہ پرستانہ فلسفوں کا مقابلہ کرسکے اور باطل کی سرکوبی کرتے ہوئے اپنا رہبرانہ پارٹ ادا کرسکے ۔ لہذا آج علمائے اسلام پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ انبیائے کرام کے مشن کے مطابق صحیفہ ربانی کی حقیقت اور اس کے علمی اعجاز کو سمجھیں اور پھر قرآن اور جدید علوم کا تقابل اور باطل فلسفوں کا رد کرکے عصر جدید کے سب سے بڑے چیلنج کا جواب دیں ، تاکہ دین الٰہی کا بول بالا ہوسکے اور یہ موجودہ دور کا سب سے بڑا فریضہ ہے ۔

(۲) الرسالۃ ، ایڈٹ کردہ احمد محمد شاکر ، ص ۲۰ ، مطبوعہ مصر ۱۹۷۹ء)

بقیہ ص 24 سے

(۲۱) علم دین کا لب لباب :- پوری زندگی میں جو کچھ پڑھا اور پڑھایا اس کا تمام ترلب لباب صرف تین چیزیں ملی ہیں ۔

(۱) کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سب سے بڑی ہے ۔ اللہ اکبر

(۲) کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی چیز ہے ۔ ورضوان من اللہ اکبر

(۳) کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر سب سے بڑا ہے ۔ ولذکر اللہ اکبر

ع لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

جناب عبدالسلام صدیقی صاحب
ریسرچ اسکالر شعبہ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ایک شخصیت

نسب اور خاندان :- مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے آباؤاجداد "مانے" علاقہ شیخوپورہ ضلع مونگیر کے سادات میں سے تھے ۔ یہاں سادات کی بارہ بستیاں ہیں جن کو بارہ گانواں کہا جاتا ہے ۔ یہ سادات حضرت جاجنیریؒ کی اولاد ہیں جو بغداد سے ہندوستان آئے اور حکومت دہلی نے ان کی برگزیدہ شخصیت کے پیش نظر علاقہ لکھی سرائے کے ضلع مونگیر کے ایک گاؤں ندیانواں میں خانقاہ کیلئے انہیں جگہ دی اور اردگرد چند مواضعات بھی جاگیر کے طور پر عطا کیے ۔ حضرت کی تبلیغی مہم اس علاقہ میں نہایت کامیاب رہی ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو کافی اولاد بھی دی اور بارہ گانواں میں انکی نسل کے لوگ ابتک آباد ہیں ۔ اسی بارہ گانواں میں "مانے" بھی واقع ہے ۔ مولانا گیلانیؒ کا خاندانی نسب نامہ اس طرح ہے ۔ مناظر احسنؒ ولد حافظ ابوالخیر ولد محمد احسن ولد میر شجاعت علی ولد میر شفاعت علی ، میر شفاعت علی تک یہ خاندان "مانے" میں مقیم رہا ۔ پیشہ کاشتکاری اور زمینداری تھا ۔ ایران کے خطہ گیلان سے ایک بزرگ سید ندیم الدین گیلانی اپنے صاحبزادہ سید شہاب الدین گیلانی اور فرزند زادہ سید منہاج الدین گیلانی کے ہمراہ دہلی تشریف لائے ۔ سید ندیم الدین دہلی میں مدفون ہیں ۔ سید شہاب الدین دہلی میں سید شرف الدین یحیٰ منیری کی عظمت کا چرچا سن کر اپنے صاحبزادہ منہاج الدین کے ہمراہ بہار شریف لائے اور وہیں مدفون ہیں ۔ بہار شریف موضع گیلانی سے پچھم واقع ہے ۔ اپنے والد کے انتقال کے بعد سید منہاج الدین کا دل وہاں سے اچاٹ ہوگیا ۔ اکثر قرب وجوار میں سیروسیاحت کیلئے نکل جایا کرتے ۔ ایک مرتبہ جب وہ گونبدپور پہونچے تو یہ جگہ ان کو بہت پسند آئی اور اپنے اہل وعیال کیساتھ یہیں منتقل ہوگئے ۔ اس بستی کا نام انہوں نے سیدنا عبدالقادر گیلانی کے نام نامی سے سعادت اور برکت حاصل کرنے کیلئے محی الدین پور گیلانی رکھا اور آج تک یہ تاریخی گاؤں گیلانی کے نام سے معروف ہے ۔ جیسا کہ پہلے کہا جاچکا ہے شفاعت علی تک یہ خاندان "مانے" میں رہا ۔ ان کے صاحبزادے شجاعت علی کی دوسری شادی پہلی بیوی کی وفات کے بعد گیلانی میں بی بی حیاتن سے ہوئی اور اس کے بعد میر شجاعت علی مانے سے گیلانی منتقل ہوگئے ۔ ان کی

دوسری بیوی سے ۲ لڑکے تولد ہوئے، مولانا محمد احسن اور مولوی محمد محسن۔ مولانا محمد احسن کی شادی گیلانی میں بی بی آمنہ بنت امام بخش ولد یتیم اللہ ولد میر مقیم سے ہوئی تھی۔ مولانا احسن کو ۴ لڑکے ہوئے۔ سید ابوظفر، سید ابونصر اور سید ابوالخیر۔ سید ابوظفر کی جوانی میں موت ہوگئی۔ سید ابونصر جو حافظ، عالم اور حکیم تھے، لاولد مرے۔ حافظ سید ابوالخیر کے ۳ لڑکے جن میں ایک مولانا گیلانی اور ۲ ان سے چھوٹے ایک کا نام مکارم احسن اور دوسرے کا نام مظہر احسن تھا۔ اس کے علاوہ تین لڑکیاں تھیں۔ بی بی ام ہانی، بی بی صفیہ اور بی بی ہاجرہ۔ بی بی ام ہانی کی شادی مظاہر حسن ساکن موضع کتنی کول سے ہوئی۔ بی بی صفیہ کی شادی مولانا لطف اللہ (برادر بزرگ مولانا منت اللہ رحمانیؒ) اور بی بی ہاجرہ کی شادی گیلانی ہی میں مولانا عبدالعزیز سے ہوئی جو اپنے وقت کے ایک برگزیدہ قاری اور شاعر تھے۔

پیدائش اور تعلیم وتربیت :- مولانا گیلانی ۱۸۹۲ء میں اپنے ننھیال موضع استھانواں ضلع پٹنہ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام مناظر احسن ہے۔ آپ کے چچا مولوی ابونصر صاحب نے آپکی تعلیم وتربیت صغرسنی ہی سے اپنے ذمہ لےلی تھی، اگرچہ اس وقت انگریزی تعلیم کا چرچا عام تھا، لیکن چچا نے خاندانی روایت کے مطابق انہیں اسکول اور کالج کی تعلیم سے دور رکھا۔ مولوی ابونصر خود حکیم اور عالم تھے اور منطق وفلسفہ میں اپنے والد مولانا محمد احسن کے نقش قدم پر گامزن تھے۔ اس وقت گیلانی میں مولانا احسن کا مدرسہ ہندوستان میں کافی مشہور تھا۔ مولانا ابونصر صاحب نے اپنے بھتیجے کو گیلانی ہی میں رکھکر عربی، فارسی، منطق وفلسفہ اور حدیث کی تعلیم دلوائی۔ مولانا گیلانی چونکہ لڑکپن ہی سے بہت ذہین تھے، اس لئے مولوی ابونصر کی آرزو تھی کہ ان کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائی جائے۔ خوش قسمتی سے اس وقت مولانا احسن کے ایک شاگرد حکیم دائم علی صاحب ریاست ٹونک میں سرکاری طبیب تھے اور انہوں نے منطق وفلسفہ کیلئے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ ان کے فرزند ارجمند حکیم برکات احمد سے مدرسہ کو بڑی ترقی ہوئی۔ شاید منطق وفلسفہ میں اس وقت ہندوستان میں ان کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ مولانا گیلانی کی تعلیم کے سلسلہ میں مولوی ابونصر صاحب کی نظر مولانا حکیم برکات احمد صاحب پر پڑی اور اپنے بھتیجے کو مولانا برکات احمد صاحب کے پاس راجپوتانہ کی دور دراز ریاست ٹونک میں چھوڑ آئے۔ اس وقت مولانا گیلانی کی عمر ۱۴ سال کی تھی، تقریباً ۷ سال تک ٹونک میں تعلیم پاتے رہے۔ ٹونک میں طالب علمی کے دوران علامہ انورشاہ کاشمیری اور شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کی علمی شہرت کا چرچا سن کر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کا

خیال پیدا ہوا اور گیلانی آکر اپنے چچا سے مزید تعلیم حاصل کرنے کیلئے دیوبند جانے کی اجازت مانگی۔ مولوی ابونصر صاحب نے مسلکی اختلاف کے باوجود اپنے بھتیجے کو دارالعلوم دیوبند جانے کی اجازت دیدی۔ مولانا گیلانی نے دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث میں داخلہ لیا اور سالانہ امتحان امتیازی نمبرات سے پاس کرکے تیسری پوزیشن حاصل کی۔ لکھنے پڑھنے کی عادت تو ٹونک سے ہی تھی، بھلا یہاں کیسے خالی بیٹھ سکتے تھے، چنانچہ شیخ الہندؒ نے مولانا کی صلاحیت کو بھانپ لیا اور "القاسم" و "الرشید" میں مضامین لکھنے کیلئے کہا۔ بس پھر کیا تھا تحریر کا ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ بسااوقات دونوں پرچوں میں صرف مولانا ہی کے مضامین ہوتے تھے۔ اسی دوران مولانا گیلانی کی ۲ کتاب "ابوذر غفاریؓ" اور "کائنات روحانی" چھپ کر علمی دنیا میں داد تحسین حاصل کرچکی تھی۔

<u>دیوبند سے فراغت کے بعد</u> :- دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے وطن لوٹ آئے۔ یہاں آکر مولانا کو حضرت مولانا محمد علی مونگیری کے زیرسایہ اپنا ایک رسالہ مونگیر سے جاری کرنیکا خیال آیا اور اس کوشش میں لگے رہے، لیکن سرمایہ کی کمی کی وجہ سے اس کا کوئی نظم نہ ہوسکا اور مولانا کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔ اس دوران مولانا محمد علیؒ کی صحبت میں روحانی فیض حاصل کرتے رہے اور مولانا کے ارشاد سے اکثر بھاگلپور اور دربھنگہ وغیرہ جاکر وعظ اور تبلیغ کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ جب مونگیر میں ایک سال کے قیام کے بعد بھی پرچہ جاری کرنیکا کوئی نظم نہ ہوسکا تو مولانا نے اپنے حالات لکھ کر دیوبند بھیجے۔ مولانا حبیب الرحمان صاحب نے جو اس وقت کارپرداز مہتمم تھے فوراً جواب دیا اور فی الفور دیوبند واپس آنے کا مشورہ دیا اور لکھا کہ القاسم اور الرشید کی ادارت پھر انہیں کے سپرد کی جائیگی اور تیس روپے ماہوار تنخواہ انہیں دی جائیگی، چنانچہ مولانا مونگیر سے دیوبند چلے گئے۔

<u>توہین رسالت کا حادثہ اور کلکتہ کو روانگی</u> :- ابھی دیوبند میں چند ہی مہینے ہوئے تھے کہ کلکتہ کے اخبار "انڈین ڈیلی نیوز" میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ایک گستاخانہ مضمون شائع ہوگیا جس سے مسلمانان کلکتہ سخت برھم ہوگئے۔ پورے شہر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا۔ حکومت نے بھی سخت رویہ اختیار کرلیا اور مسلمان دھڑادھڑ گرفتار ہونے لگے۔ حکومت نے جو سوچا تھا نتیجہ اس کے بالکل برعکس ہوا اور یہ تحریک دوسرے شہروں میں بھی پھیلنے لگی۔ کلکتہ کے مسلمانوں نے بذریعہ تار علماء دیوبند کو اس طرف متوجہ کیا۔ وہاں سے متعدد علماء کا ایک وفد کلکتہ کیلئے چل پڑا ان میں مولانا گیلانی بھی تھے۔ اس درمیان حکومت کا رویہ اور بھی سخت ہوگیا۔ ایک مسجد کے

نزدیک مجمع پر گولی چلادی گئی، جس سے کئی مسلمان شہید ہوگئے۔ ان حالات کے مدنظر کلکتہ کے مسلمانوں نے آنے والے علماء دیوبند کو تار دیکر آنے سے روک دیا۔ یہ تار ان حضرات کو ٹرین ہی میں بمقام الہ آباد ملا۔ کچھ علماء کرام نے دیوبند واپسی کا فیصلہ کرلیا اور واپس ہوگئے۔ مولانا گیلانی جوانی کے جوش میں اڑگئے کہ اب تو جہاد اور قربانی کیلئے کلکتہ جانا ضروری ہے۔ مولانا کے عزیزوں کو معلوم ہوگیا تھا کہ دیوبند سے علماء کس ٹرین سے کلکتہ جانے والے تھے، پٹنہ جنکشن پر ان لوگوں نے مولانا کو کلکتہ جانے سے بہت روکا، لیکن مولانا کسی طرح سے نہ مانے۔ کلکتہ پہونچکر جیسے ہی مولانا نے پرجوش تقریر کی اور فتویٰ دیا حکومت نے ان کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کردیا۔ لیکن مخلصوں نے ان کو ایک کمرے میں بند کردیا، چونکہ پٹنہ کے راستے دیوبند جانیکی صورت گرفتار ہونا یقینی تھا اس لیے مولانا کے دوستوں نے ان کو دو ہفتے کے بعد اس پر راضی کیا کہ وہ مدارس میل سے حیدرآباد ہوتے ہوئے پونا اور بمبئی کی راہ سے دیوبند جائیں۔

مولانا گیلانی حیدر آباد میں :- جس روز مولانا کی گاڑی حیدرآباد سے گذر رہی تھی وہ عید کا دن تھا اس لیے مولانا حیدرآباد میں ہی اتر پڑے اور اپنے عزیز سید محی الدین صاحب بیرسٹر کے یہاں مقیم ہوئے۔ محی الدین صاحب کے یہاں ہندوستان کے مشہور ومعروف مفسر قرآن مولانا حمیدالدین صاحب فراہی پرنسپل مدرسہ نظامیہ حیدرآباد کی آمدورفت تھی، اس طرح مولانا گیلانی کی ملاقات علامہ فراہی سے ہوئی، جنہوں نے چند ہی ملاقاتوں میں ان کی غیر معمولی صلاحیتوں سے متاثر ہوکر یہ فیصلہ کرلیا کہ انہیں حیدرآباد ہی میں روک لیا جائے۔ اس زمانہ میں مولانا فراہی عثمانیہ یونیورسٹی کے قیام کیلئے ایک عظیم منصوبہ تیار کررہے تھے۔ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ مدرسہ نظامیہ کو عثمانیہ یونیورسٹی میں ضم کردیا جائے اور اساتذہ مدرسہ نظامیہ کی ملازمت اسی یونیورسٹی سے وابستہ کردی جائے۔ علامہ فراہی یہ منصوبہ نواب حبیب الرحمان خان شیروانی، سراکبر حیدری فنانس منسٹر اور سرراس مسعود ڈائریکٹر تعلیمات کے مشورہ سے تیار کررہے تھے۔ علامہ فراہی نے مولانا گیلانی کو یہ کہہ کر روک لینا چاہا کہ یونیورسٹی جلد کھلنے والی ہے اور وہ انہیں اس یونیورسٹی میں کسی اچھے عہدے پر تعلیمات دینیات کیلئے ملازمت دلوادیں گے۔ مولانا گیلانی نے جواب دیا کہ وہ دارالعلوم دیوبند کے ملازم تھے اور سرراہے وہاں آگئے تھے۔ ذمہ داران دارالعلوم کی اجازت کے بغیر وہ کسی دوسری جگہ کی ملازمت قبول نہیں کرسکتے، البتہ وہاں کی اجازت کے بعد قبول کرسکتے ہیں اور اس کیلئے دیوبند خط لکھ سکتے ہیں، چنانچہ مولانا نے دیوبند خط لکھا۔ وہاں سے جواب ملا کہ انہیں ضرور حیدرآباد رک جانا چاہیئے، اس وقت اس کی سخت ضرورت تھی کہ دیوبند کا کوئی نمائندہ اس نئی یونیورسٹی سے منسلک ہوجائے، چنانچہ مولانا گیلانی نے قیام حیدرآباد کا فیصلہ کرلیا۔ چونکہ یونیورسٹی

کھلنے میں ابھی دیر تھی اس لیے مولانا گیلانی سید محی الدین صاحب کو درس قرآن دیتے رہے اور خود علامہ فراہی سے تفسیر قرآن پڑھتے رہے۔ اس طرح پورا ایک سال گذر گیا لیکن یونیورسٹی کے قیام میں ہنوز دیر تھی مجبوراً مولانا گیلانی ملازمت کی درخواست وہاں چھوڑ کر اپنے وطن گیلانی لوٹ آئے۔ کچھ دنوں بعد جب عثمانیہ یونیورسٹی قائم ہوگئی تو گیلانی ہی میں مولانا کو تقرر نامہ ملا اور اس طرح مولانا گیلانی عثمانیہ یونیورسٹی میں دینیات کے لکچرر ہوگئے اور تقریباً ۲۸ سال تک تدریسی فرائض انجام دیتے ہوئے صدر شعبہ ہوکر سبکدوش ہوئے۔

بیماری اور وفات :- مولانا گیلانی دل کے مریض تھے اور یہ مرض حیدر آباد کے آخری دور میں ناقابل برداشت ہوگیا تھا، بالآخر ملازمت کے مقررہ مدت سے ایک سال قبل ہی مستعفی ہوکر حیدر آباد سے اپنے وطن گیلانی چلے آئے۔ ۱۵ جون ۱۹۸۶ء کی شب کو سوانح قاسمی کی تیسری جلد کے آخری باب کو مکمل کر کے بستر خواب پر دراز ہوئے۔ اپنے بھانجے روح اللہ سے فانی کی مشہور غزل

کفن سرکاؤ میری بے زبانی دیکھتے جاؤ

ترنم سے پڑھکر سنانے کی فرمائش کی۔ پھر مولانا کو نیند آگئی۔ صبح جب ان کے چھوٹے بھائی مکارم احسن نے جو پاس ہی لیٹے تھے اپنے محبوب بھائی کو جگانا چاہا تو خود اپنی غفلت پر سر پیٹ کر رہ گئے۔ مولانا اکثر فرماتے تھے کہ کسی جنت میں جانے والے پر بڑھاپا نہ طاری ہوگا ہر شخص جوان صورت بن کر جائیگا۔ صبح کے وقت جب ان کی روح پرواز کرچکی تھی تو چہرہ تروتازہ تھا، دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے کوئی پچاس سالہ جوان بستر پر دراز تھا۔ اس منظر نے ہر شریک جنازہ کو محو حیرت بنا دیا تھا۔ مولانا گیلانی کی وصیت کے مطابق جنازہ کی نماز مولانا فصیح (مرحوم) نے پڑھائی۔ مولانا گیلانی کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ ۵ جون کو مولانا فصیح دربھنگہ میں تھے کہ اس روز ان کو مولانا گیلانی سے ملنے کی اتنی شدید خواہش ہوئی کہ وہ بغیر کسی پروگرام کے دربھنگہ سے گیلانی روانہ ہوگئے اور دوسرے روز گیلانی پہونچے تو مولانا مرحوم کی تجہیز و تکفین کے انتظامات ہورہے تھے۔ اس طرح مولانا گیلانی کی وصیت پوری ہوئی۔

نکاح، شادی اور اولاد :- مولانا گیلانی کی شادی اپنی ہی بستی کے ایک بزرگ داروغہ سید محمد نظیر صاحب کی صاحبزادی آمنہ خاتون سے ۱۹۱۴ء میں ہوئی تھی۔ مولانا کو اللہ تعالیٰ نے متعدد اولاد عطا فرمائی۔ لیکن اکثر نے صغرسنی ہی میں داغ مفارقت دیا۔ صرف ایک صاحبزادے اور ایک صاحبزادی کو اللہ نے عمر عطا فرمائی۔ صاحبزادے کا نام سید محی الدین تھا، ایم اے کرنے کے بعد بہار ہی میں سب ڈپٹی کے عہدے پر فائز رہے، پھر قیام پاکستان کے بعد مشرقی پاکستان چلے گئے اور وہاں

پی ۔ اے ۔ ایس میں انکا انتخاب ہوگیا، لیکن عمر نے وفا نہ کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں مشرقی پاکستان میں انقلاب عظیم رونما ہونیکے بعد مغربی پاکستان منتقل ہوگئے۔ ۱۹۷۰ء میں دل کا دورہ پڑا اور اپنے مالک حقیقی سے جاملے مولانا کی لڑکی کی شادی انکے چھوٹے بھائی مکارم احسن صاحب گیلانی (مرحوم) کے بڑے لڑکے سید صلاح الدین سے ہوئی تھی یہ خاندان ابتک گیلانی میں قیام پذیر ہے۔

اخلاق و اوصاف:۔ مولانا کی زندگی بے مثال تھی۔ عثمانیہ یونیورسٹی میں قریب ۲۸ سال تک دینیات کے پروفیسر اور صدر شعبہ رہے۔ اس حیثیت سے بڑی معقول تنخواہ پاتے رہے لیکن مولانا نے اپنے پاس روزمرہ خرچ کیلئے بھی کبھی ایک پیسہ نہیں رکھا۔ قیام حیدر آباد میں بال بچوں کو اتفاقاً ہی کبھی اپنے ساتھ رکھتے، بلکہ مولانا کا محبوب ملازم "لکوا" ہی اکثر مولانا کے ساتھ رہا۔ بیوی، بچوں، رشتہ داروں، عزیزوں اور غریبوں پر خرچ کرنیکے بعد جو کچھ بچتا لکوا کے حوالہ کردیتے اور لکوا جو کچھ حاضر کردیتا مولانا خاموشی کیساتھ اسے کھالیتے۔ ضرورت مند کچھ مانگتا تو حتیٰ الوسع اسے مایوس نہیں کرتے جو کچھ ہوتا ضرور دیتے، لیکن دینے کے بعد جو واپس نہیں کرتا اس سے منہ کھول کر طلب بھی نہیں کرتے کہ تم نے اتنی رقم قرض لی تھی اب تک واپس نہیں کی۔ یہاں تک کہ خود اپنے پاس رقم نہیں ہوتی اور ضرورت مند کہتا کہ فلاں سے لیکر دے دیجئے تو مولانا ایسا بھی کرتے کہ خود قرض لیکر دوسروں کو قرض کے نام پر دیتے اور لینے والے سے طلب کرتے ہوئے شرم محسوس کرتے۔ اگر خود کوئی دے گیا تو بہتر ورنہ خود برداشت کرتے۔ صباح الدین عبدالرحمن صاحب نے درست لکھا ہے:۔

ان کی سادگی دیکھ کر ان کے علم کی گہرائی کا یقین نہ آتا تھا اور اس گہرائی کو دیکھ کر ان کی سادگی پر تعجب ہوتا تھا، ان کی کل کائنات ایک چارپائی تھی۔ اس پر قلم دوات رکھ لیتے اور علم وفن کا خزانہ لٹاتے رہتے۔ چار پائی کے بغل میں دو تخت تھے ان پر معمولی فرش اور اس کے اوپر ایک قالین تھا، قالین اور فرش کے درمیان ان کا دفتر تھا ان کے سارے کاغذات اور خطوط قالین کے نیچے پڑے رہتے تھے۔ کمرے میں چار بڑی الماریاں تھیں جن میں منتخب کتابیں تھیں یہی ان کا آفس اور کتب خانہ سب کچھ تھا۔ لکھتے لکھتے جب تکان محسوس کرتے تو چار پائی کے نیچے ہاتھ بڑھاکر ٹین کا ایک معمولی سا ڈبہ گھسیٹتے اس میں مٹی کے تین کلھڑوں میں کتھا، چونا اور ڈلی تھی اور کپڑے کے ایک ٹکڑے میں کچھ پان لپیٹے ہوتے۔ یہ پان دان انکی ساری زمینداری، کھیتی، باغ اور گراں قدر تنخواہ کا حاصل تھا، جس کے وہ بلاشرکت غیرے مالک تھے، بقیہ کسی چیز سے انکو کوئی سروکار نہ تھا۔ اس ڈبہ سے پان کی گلوری بناتے اور اس کو کھاکر تازہ دم ہوجاتے اور ان کا نہ تھکنے والا قلم پوری تیزی کیساتھ رواں ہوجاتا۔ (معارف اپریل ۱۹۵۶ء)

مولانا بیک وقت عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے مقبول ترین استاذ بھی تھے اور واعظ شہر

بھی متعدد کتابوں کے مؤلف ومصنف بھی تھے اور بہت سارے اخبار ورسائل کے مقالہ نگار اور مضمون نگار بھی، شعروشاعری کا ذوق بھی رکھتے تھے اور مجلس گفتگو کا سلیقہ بھی، جامعہ مسجد (حیدرآباد) میں جمعہ کی امامت بھی فرماتے تھے اور روزانہ درس قرآن کا مشغلہ بھی تھا، اس نسبت کی وجہ سے مولانا کا ہر طبقہ کے لوگوں سے ملنا جلنا تھا اور ان سے راہ رسم اور تعلقات بھی تھے۔ مولانا عبدالباری ندوی تحریر فرماتے ہیں:۔ مولانا کا دائرہ تعلقات صرف یونیورسٹی تک محدود نہ تھا۔ پورے حیدرآباد کے عوام وخواص، علماء ومشائخ، وزرا، افسروں، ماتحتوں، بڑے چھوٹے، تاجروں، دکانداروں، ہر طبقہ تک پھیلا ہوا تھا اس کے باوجود شاید ایک مثال بھی کوئی بتاسکے کہ کسی طبقہ کا ایک فرد بھی مولانا سے ناراض رہا، ناراض کیا سب ہی بڑی عزت ومحبت کرتے تھے۔ (مکاتب گیلانی صفحہ نمبر ۲۵)۔ مولانا گیلانی ایک علمی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ عالموں کے گھرانے میں پیدا ہوئے، انہی کی گودوں میں پرورش پائی اور اسی ماحول میں نشونما ہوئی۔ جب ذرا ہوش سنبھالا تو ابتدا تا جوانی مدارس دینیہ اور تعلیمی درس گاہوں میں زندگی گذاری اور ارباب فضل وکمال اور شیفتگان کتاب وسنت کی صحبت میں دن رات رہنا ہوا اور بعد فراغت تعلیم معلم اخلاق بن کر نوجوانوں کے سامنے آئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخلاق واعمال میں پاکیزگی عقائد ومعاملات میں پختگی و صفائی اور نشست وبرخاست میں متانت وسنجیدگی مولانا کے حصے میں پورے طور پر آئی۔ ذہن وفکر اور حوصلہ وولولہ کی بلندی قدرت نے پوری فیاضی کیساتھ عطا کرر کھی گی۔ درشت مزاجی اور تندخوئی سے کوسوں دور تھے بلکہ اس کی جگہ رفق وملاطفت اور ہمدردی و رواداری، فطرت میں داخل تھی۔ مولانا گیلانی نے اپنے پیچھے کتابوں، مقالوں، مضامین اور مکاتیب کا بہت بڑا سرمایہ چھوڑا ہے جن میں چند مشہور تصانیف ونگارشات یہ ہیں: (۱) حضرت ابوذر غفاریؓ (۲) سوانح قاسمی (۳) تدوین حدیث (۴) تدوین قرآن (۵) تدوین فقہ (۶) الدین القیم (۷) النبی الخاتم (۸) مقالات احسانی (۹) تذکرہ شاہ ولی اللہ (۱۰) ہزار سال پہلے (۱۱) ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت (۱۲) مسلمانوں کی فرقہ بندیوں کا افسانہ (۱۳) امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی (۱۴) اسلامی معاشیات (۱۵) اسلامی اشتراکیت (۱۶) اسلام اور ہندومت کی بعض مشترک تعلیمات (۱۷) اسفار اربعہ (۱۸) عبقات (۱۹) تذکیر بسورۃ الکہف (۲۰) ظہور نورؐ (۲۱) ایک ہندوستانی صحابی (۲۲) بابا رتن ھندی (۲۳) کائنات روحانی (۲۴) اطلاقی تصوف (۲۵) دربار نبوی کی حاضری (۲۶) مسئلہ سود (۲۷) روزہ اور قرآن (۲۸) حضرت اویس قرنی وغیرہ، اس کے علاوہ بھی بہت سے مقالات ومکاتیب غیر مطبوعہ ہیں جس کی طرف اہل علم کی توجہ درکار ہے۔

جناب ڈاکٹر اعجاز فاروق اکرم صاحب

نبوی اساسیات تعلیم

سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بابرکت شخصیت کا ہر پہلو تابناک، روشن اور کائنات کے ہر ذی شعور کےلئے تابہ ابد اسوہ کامل ہی نہیں، بلکہ نجات وفلاح کا معیار اور محور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور معمولات میں اولیت تعلم وتعلیم کو ہی حاصل رہی۔ غار حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی اولین الہامی ہدایت بھی "اقرا" ہی ہے۔ خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے معلم کی حیثیت کا انتخاب کیا اور فرمایا: " انما بعثت معلما " اللہ عزو جل نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد تعلیم، تزکیہ اور تطہیر ہی متعین فرمایا: " ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ " (۱) بلاشبہ یہ بہت بڑی حقیقت ہے کہ اسلام نے ہی علم کی ضرورت کو محسوس کیا، اس کی ترویج واشاعت کےلئے اقدامات کئے، اس کی تحصیل کو لازم ٹھہرایا اور اس کے معلم ومتعلم کا وقار بڑھایا۔ اسلام نے ہی علم کے نور کو عام کیا اور ہر سو روشنی کے سوتے پھوٹے۔ اسلام سے قبل دنیا میں یونان، روم، ہند، چین، مصر اور بابل جیسے مراکز علم تھے مگر خرافات وتوہمات، سحر وطلسم پر مبنی اخلاقیات کے بے عمل دعویدار کہیں محض فلسفہ اور کہیں الٰہیات، ہئیت اور طلب تک محدود، ملک گیری اور انسانوں کو غلام بنانا ہی علم کا مقصود تھا۔ اس پر مستزاد یہ کہ اس علم تک صرف دولت مندوں اور خواص کی رسائی تھی، عوام کےلئے اس کے دروازے بند تھے۔ پھر ایک دور ایسا بھی آیا جب مسیحیت نے اپنے پندرہ سولہ سوسالہ دور عروج میں جہالت کو فوقیت دی اور ہر اس چیز کو تاراج کردیا جس سے علم کی ذرا بھی کرن پھوٹتی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منصب نبوت عطا ہونے کے اعلان کے بعد پہلا بنیادی کام جو کیا وہ ایک درسگاہ کی تشکیل تھا۔ مکہ میں بنو مخزوم کے معزز سردار حضرت ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ پہلی اسلامی درسگاہ اور تعلیمی ادارہ کے طور پر " دارارقم" کے نام سے تاریخ کا بنیادی حصہ قرار پایا۔ دارارقم ہی وہ مرکز تعلیم وتعلم تھا جہاں سے ابوبکر، عمر، عثمان وعلی اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تعلیم وتربیت کا اہتمام خود آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے عظیم المرتبی معلم کی براہ راست نگرانی میں ہوا اور

انہی متعلمین نے پھر دنیا کی امامت وقیادت کے علاوہ علم وعمل کی روشنیوں کو ہر سو بکھیرا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض علم حاصل کرلینے کا ہی حکم نہیں فرمایا، بلکہ اس کی ترویج واشاعت کی ذمہ داری بھی ہر معلم ومتعلم پر عائد کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

" بلغوا عنی ولوآیۃ " (مجھ سے حاصل ہونے والی خواہ ایک ہی آیت ہو۔ (ہر خاص وعام تک) پہنچادو) سرور دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل علم کو کسی زمان ومکان کا تابع بھی نہیں بنایا بلکہ مہد سے لحد تک اس کو حاصل کرنے کی ترغیب دی اور یہ تلقین فرمائی کہ شعور کی آنکھ کھولنے کے بعد حیات دنیاوی کے اختتام تک زندگی کا ہر لمحہ تحصیل علم میں بسر ہونا چاہئیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد خداوندی کے مطابق ہمیشہ یہ دعا بھی فرماتے رہتے: " رب زدنی علما " حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون عالم تھا اور ہوگا؟ اسلامی حکومت کے قیام کے بعد مدینہ طیبہ میں پہلے معرکہ حق وباطل غزوہ بدر میں کامیابی کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام اور اہل اسلام کی دیگر تمام ضروریات پر تحصیل علم فوقیت دی اور مسلمانوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا اسیران بدر کی رہائی کا فدیہ قرار دیا۔ نبوی اساسیات تعلیم کا اولین نکتہ یہ تھا کہ علم کامل صرف اللہ عزوجل کو ہی حاصل ہے۔ " فوق کل ذی علم علیم " (۲) یعنی ہر صاحب دانش وبینش پر ایک ذات بالا وبرتر اور کامل علم کی حامل موجود ہے۔ اس نظریہ کی پاسداری انسان کو علمی تکبر اور برتری میں مبتلا ہونے اور خود کو عقل کل سمجھنے سے روکتی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: " العلم عنداللّٰہ " (اصل علم تو اللہ ہی کے پاس ہے گویا علم کی اصل بنیاد تو فقط وہی ہے۔ جس کا رابطہ وتعلق علم الٰہی سے ہو۔ اور اسی رابطہ میں مربوط علم اور اس کی فروعات ہی معتبر وقیع ہیں۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید تعلیم دی کہ علم اللہ اصل ہے بلکہ وہ لامحدود اور ہرچیز پر محیط و وسیع ہے۔ " وسع ربی کل شیئ علما " (۳) صدیوں پر محیط انسان کا علمی عروج اور عرفان سب محدود اور نامکمل ہے۔ اصل عالم تو اللہ کی ذات والا صفات ہی ہے۔ اللہ کا علم نہ صرف ظاہر تک ہے بلکہ زمین وآسمان کے باطن اور انسان کے سینوں میں چھپے راز، کائنات کی نظر آنے اور آنے والی حقیقتیں سب اس کے حیطہ قدرت وادراک میں ہیں: " یعلم سرکم وجہرکم " (۴) " یعلم مافی السمٰوات ومافی الارض " (۵) اور نکتہ آخر یہ سکھایا گیا: " واللّٰہ یعلم وانتم لاتعلمون " (۶) علم کا سرچشمہ، مرکز اور منبع فقط ذات الٰہی ہے۔ کائنات کا سارا علم اسی کے علم کی چند کرنیں ہیں۔ کائنات اور اہل کائنات کا سارا علم اس کے وسیع اور لامحدود علم کے سامنے بے وقعت ہے اور اصلی علم تو وہی ہے جو اس کے تابع اور زیراثر ہو، اس کے علاوہ باقی

سب جہالت اور نادانی ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظام تعلیم کی دوسری اساس اور نظریہ جو نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا بلکہ اپنے معلومات تعلیم کے لئے اپنایا، وہ یہ تھا کہ علم وہی معتبر ہے جو نافع ہو اور اس کا مقصود اعلیٰ وارفع ہو، وہ علم جو حاصل کیا جائے، محض ورق کتاب تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ اس کا ظہور اوراق حیات پر بھی ہونا چاہئیے۔ علم نافع کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ دعا سکھائی: " اللھم انی اسالک علما نافعا " آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم کو جس سے فائدہ نہ پہنچے ایسے خزانہ سے تشبیہ دی ہے، جسے اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے۔ " مثل علم لا ینتفع به کمثل کنز لاینفق منه فی سبیل اللّٰه "

(حدیث) مزید برآں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم سے پناہ مانگی جو نفع نہ پہنچائے۔ " اللھم انی اعوذبک من علم لاینفع " نبوی اساسیات تعلیم میں تیسری اور اہم چیز، حاصل کردہ علم پر عمل کرنا ہے۔ قرآن مجید نے عالم بے عمل کو اس گدھے سے تشبیہ دی ہے جس کی پیٹھ پر بڑی بڑی کتابوں کا بوجھ لدا ہو: " کمثل الحمار یحمل اسفارا " (۷)۔

ایسا عالم اس چراغ سے مماثل قرار دیا گیا ہے جس کی روشنی خود اس کی شب تاریک میں سحر نہ کرسکے۔ ایسا علم جس سے نہ تو خود آشنائی حاصل ہو، نہ کائنات میں موجود مظاہر قدرت کا مشاہدہ کرکے عرفان رب حاصل ہو، ایسا علم جو انسانیت کی فلاح وبہبود اور اصلاح ورہنمائی کی بجائے ضلالت وگمراہی تباہی وبربادی، ظلم وجبر اور ناانصافی کا سبب بنے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمی ترجیحات واساسیات میں " جہالت " کا درجہ رکھتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے علم کے حصول کی تلقین وہدایت فرمائی اور اس میں اضافہ کی دعا فرمائی جو فلاح ونجات اور ہدایت و نفع کا موجب بنے اور عارضی زندگی کے مقابلے میں حیات ابدی کے لئے زاد راہ ثابت ہو۔ ان تین اساسی نظریات تعلیم کو اختیار اور ان کی تعلیم دینے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نظام تعلیم ترتیب دیا اور اسوہ عمل عطا فرمایا، وہ یہ تھا کہ سب سے پہلے بلاتفریق جنس، نسل اور عمر ہر مسلمان پر حصول علم فرض قرار دیا، ارشاد فرمایا " طلب العلم فریضة علی کل مسلم " (حدیث) متعلم کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عظیم سعادت کی خوشخبری دی کہ:

" من سلک طریقا یلتمس فیه علما سھل اللّٰه له به طریقا الی الجنة "

جو حصول علم کے راستے پر چلا، اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان کردے گا) آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف یہ بلکہ بے شمار برکتوں اور سعادتوں سے مشتاقان علم کو نوازا۔

طالبان علم کے لئے اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ وہ اہل علم کی قدر کریں، عزت وتوقیر سے پیش

ان کے ساتھ عاجزی وانکساری کا اظہار کریں اور جو علم حاصل ہو اس پر عمل کے ساتھ اس کی اشاعت کا بھی اہتمام کریں۔ امام زہری فرماتے ہیں کہ: "علم ضائع ہوجاتا ہے اگر عالم کی قدر نہ کی جائے، عالم کسی کو اپنے علم سے سیراب کئے بغیر مرجائے یا علم میں جھوٹ کی آمیزش کردی جائے۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معلم کو اپنے اسوہ عمل سے یہ بنیادی تعلیم اور تربیت عطافرمائی کہ معلم کا کام اپنے شاگرد اور مخاطب کو پوری خیرخواہی، نیک نیتی اور اصلاح کے جذبے کے ساتھ تعلیم عطا کرتا ہے۔ معلم نہ تو چوب دار ہے، نہ لٹھ بردار۔ اس کا منصب اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ محبت، شفقت اور نرمی کے ساتھ مخاطب وشاگرد کی ذہنی صلاحیت اور اس کے ماحول و مقتضیات کے مطابق حکمت اور موعظہ حسنہ کے ذریعے اسے زیور تعلیم سے آراستہ کرے۔ معلم کے سامنے اس کا تعلیمی نصب العین "معرفت الہیٰ" اور ہدف "رضائے الہیٰ" واضح ہونے چاہیں۔ جس کی بنیاد پر وہ اصلاح احوال، اصلاح ذات اور اصلاح معاشرہ کا منصب سرانجام دے۔ تعلیم دیتے ہوئے اجروجزاء کی آس و امید کی بجائے بھرپور مشنری جذبہ ہی اس کے پیش نظر رہنا چاہیے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وضع کردہ تعلیمی نظام میں تین درجات اختیار فرمائے۔ اولاً: عام لوگوں کی تعلیم، ثانیاً: خصوصی تعلیم و مختلف علوم میں مہارت (Specialization) ثالثاً: خواتین کی تعلیم۔ ان تین دائروں بالخصوص علوم و فنون کی تعلیم، جس میں تحریر وکتابت، تعلیم بالغاں، آلات حرب کی تیاری کا فن اور جنگی حکمت عملی کے طریقے، اخلاقیات، معاشرت، صحت وصفائی کے بنیادی نکات، طبی وزرعی امور، چھوٹے بچوں کی نفسیات اور ان کی تعلیم وتدریس کے حوالے "سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیلی تعلیمات وہدایات کا تذکرہ کتب سیرت میں موجود ہے۔
آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترویج اور توسیع علم کے لئے جو معمول اپنایا ان میں: جمعہ کے خطبات، مختلف نمازوں کے اوقات میں خصوصی وعمومی مجالس کا اہتمام، مکہ میں "دارارقم" میں درسگاہ کی تشکیل اور مدینہ طیبہ میں "صفہ" کی درسگاہ کی تعمیر، مختلف قبائل اور علاقوں میں معلمین کا تقرر، مختلف قبائل کے آنے والے وفود کی خصوصی تعلیم کا اہتمام شامل تھا۔ یقیناً آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہترین، کامل اور مثالی معلم تھے۔ حضرت معاویہ بن الحکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:
"مارایت معلما قبلہ ولا بعدہ احسن تعلیمامنہ" (میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہترین تعلیم دینے والا معلم نہ پہلے کبھی دیکھا اور نہ بعد میں)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان انقلابی اور دوررس تعلیمی نظریات واقدامات کا نتیجہ تھا کہ عرب کی سرزمین جہاں اسلام سے پہلے صرف ١٧

افراد معمولی پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔ ایک بہت بڑا تعلیمی انقلاب دیکھتے ہی دیکھتے برپا ہوا، سینکڑوں لوگ قرآن و حدیث، فقہ و سیرت کے نہ صرف عالم بلکہ امام بن گئے۔ کاتبان وحی اور محرران مکاتب نبوی کے علاوہ خواندہ مردوں کی بہت بڑی تعداد کے ساتھ ساتھ خواتین کا نمایاں طبقہ بھی زیور تعلیم سے آراستہ ہوا۔ قرون اولی میں ۱۵۴۳ محدث خواتین کا تذکرہ کتب تاریخ میں موجود ہے۔ نبوی تعلیمی انقلاب کی داستان تاریخ کے ہزاروں نہیں، لاکھوں صفحات پر مرقوم ہے۔ دور نبوت میں روشن ہونے والی علم کی یہ شمع ۱۴۰۰ سال سے دنیا کے ہر علم وفن میں واضح اور اساسی تبدیلیاں لے کر آئی اور تعلیم کے معمولات و نظریات نبوی کو اسوہ عمل بنانے والے دنیا کی علمی ترقی وعروج، شعور وآگہی کا مرکز ومحور اور تقلید کے لائق بنے۔ یہی اسوہ عمل آج کے ہی نہیں، ہر دور میں تعلیمی ترقی اور اس کے ذریعے زندگی کے ہر شعبہ میں درست راہ عمل کے تعین اور دنیا وآخرت میں فوزو فلاح کا ضامن ہے۔ وائے افسوس! قومی وملی سطح پر یہ فقط ہمارا عقیدہ ہی ہے۔ طرز عمل نہیں! دورجدید میں علم کی اہمیت سے کس کو انکار ہے؟ مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ علم کی ترویج واشاعت کو تعلیمات نبوی کے تابع بنایا جائے۔ علم کو کاروبار نہیں، جذبہ اور مشن سمجھا جائے، نسل کی تعلیم وتربیت اور تشکیل کردار کا خصوصی اہتمام کیا جائے۔ تب ہی حقیقی تعلیمی انقلاب اور خودوخدا آشنا علم سے فیض یاب ہوا جاسکے گا اور تعلیمات نبوی پر عمل ممکن ہوگا۔

حوالہ جات

(۱) الجمعہ: ۲ (۲) یوسف: ۷۶ (۳) الانعام: ۸۰ (۴) الانعام: ۳ (۵) آل عمران: ۲۹ (۶) النور: ۱۹ (۷) الجمعہ: ۵

بقیہ صفحہ 54 سے

کو بقیہ مال دینے کا فتویٰ دیا لیکن ان کی متاخرین نے بھی بیت المال کے منتظم نہ ہونے کی وجہ سے تیسری صدی ہجری کے بعد رد پر فتویٰ دیا اس لئے اب اس پر عملاً اجماع ہے۔ میں غامدی صاحب سے یہ درخواست کروں گا کہ خدا کے لئے اپنے آپ کو علمی بے راہ روی سے بچائیں۔ یہ راستہ آگے بہت پرخار بن جاتا ہے۔ اپنوں سے آدمی کٹ جاتا ہے، غیروں کا آدمی منظور نظر بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات شیطان کو اس کے ان حالات کے پیش نظر اس کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کا موقع مل جاتا ہے۔ جہاں تک علمی خدمات کا تعلق ہے بلاشبہ یہ بہت مبارک کام ہے اگر عند اللہ قبولیت کا شرف پاسکے اور یہ تب ہی ممکن ہے کہ آدمی رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی حتی الامکان کوشش کرے اور پھر بھی ڈرتا رہے یعنی ڈر ڈر کے کام کرے اور کام کرتے کرتے ڈرتا رہے یہی ہمارے اسلاف کا شیوہ ہے اور اسی میں کامیابی ہے۔ اللہ تعالیٰ غامدی صاحب کو رجوع کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو عقل سلیم کی دولت سے نوازے اور دل کی ہر قسم کی کجی سے ہماری حفاظت فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

۹۱م

---اب ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی صاحب

علم زراعت میں مسلمانوں کی خدمات

عربوں نے سائنسی بنیادوں پر نباتات کا مطالعہ عباسی دور میں کیا جب یونانی کتب نباتات کا عربی میں ترجمہ ہوا۔ تاہم علم زراعت میں پیشرفت سپین میں ہوئی۔ قبل از اسلام عرب کی زرعی حالت ملاحظہ ہو۔ ملک عرب میں کوئی دریا نہیں ہے۔ عرب کا وہ حصہ جو ساحل سمندر کے قریب تھا سرسبز اور زرخیز تھا۔ خاص طور پر یمن کا صوبہ بہت زرخیز تھا۔ حضرموت، عمان، نجد، حجاز اور طائف سرسبز علاقے تھے۔ یہاں فصلیں اگائی جاتیں اور باغات بھی اگائے جاتے۔ باقی علاقے میں زمین قابل کاشت نہیں تھی۔ دیہات میں رہنے والے لوگوں کا ذریعہ معاش زراعت اور حیوانات کی پرورش تھا۔ یمامہ، مدینہ طیبہ اور خیبر میں بھی کاشت ہوتی تھی۔ یہاں دوسرے پھلوں کے علاوہ کھجور کا پھل بہت مشہور تھا۔ عرب گھوڑے، اونٹ، بھیڑیں اور بکریاں بکثرت پالتے۔ قرآن حکیم نے زرعی علوم کے حصول کی ترغیب دی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علم زراعت کی طرف توجہ فرمائی۔ قرآن میں ارشاد ہے:

"وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اترا۔ پھر ہم نے اس سے ہر قسم کی نباتات اگائیں۔ اس نے سبز کھیتی پیدا کی جس کے تہ بہ تہ دانے ہیں اور کھجور کے گابھے کہ پھل کے گچھے جھکے ہوئے ہیں انگور، زیتون اور انگور کے باغات باہم دگر تشابہ اور باریک دیگر مختلف"۔ (القرآن الحکیم: ۶: ۹۹)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو آپ نے زراعت کی تعلیم و تحقیق کی طرف اس قدر توجہ فرمائی کہ عرب نے گندم بیرون ممالک کو بھیجی۔ آپؐ نے اشتمال اراضی کی طرف بھی توجہ فرمائی اور اس سسٹم کو رائج فرمایا۔ زرعی میدان میں یہ ایک انقلابی قدم تھا۔

سپین میں علم زراعت:- سپین میں مسلمانوں کی آمد سے قبل زراعت محدود تھی۔ لیکن بقول ابن حوقل زمینیں زرخیز تھیں۔ دریاؤں سے آبپاشی کا نظام معقول تھا۔ کپاس کو مشرق کی پیداوار ہے۔ مسلمانوں نے سپین میں متعارف کرائی۔ اس کے علاوہ پٹ سن کی اعلیٰ قسم کا ایک پودا کی شہدانج بھی مسلمانوں نے سپین میں متعارف کرایا۔ اس کی ڈوریوں سے اعلیٰ قسم کا کاغذ تیار ہوتا تھا۔ سپین میں تین ہزار گاؤں ایسے تھے جہاں ریشم سازی کا کام ہوتا تھا۔ اشبیلیہ اور البرہ میں

زیتون کے درختوں کے باغات چالیس میل کی مسافت میں پھیلے ہوئے تھے ۔ سپین میں کئی قسم کے انگور بھی پیدا ہوتے تھے ۔ لیموں اور خوشبودار امرود بھی بکثرت ہوتے تھے ۔ بحرہ روم اور بحراوقیانوس کے ساحلی علاقہ سیبوں کی پیداوار کے لئے مشہور تھے ۔ بقول ڈاکٹر محمد طفیل ہاشمی:

وادی آش کا سیب حجم، خوشبو اور شیرینی میں مشہور تھا ۔ مریہ میں پانچ بالشت گولائی والے سیب بھی دیکھے گئے "۔ (مسلمانوں کے سائنسی کارنامے، صفحہ نمبر: ۲۴)

سپین میں انجیر، انار، بادام، کیلا، آڑو، چکوترا، بہی، شاہ بلوط اور خربوزے بھی کثرت سے اگائے جاتے۔ مسلمان سائنس دانوں اور ماہرین زراعت نے پھلوں کے اگانے میں کافی تحقیقات کیں ۔ سپین کے مغربی ساحلی علاقے میں گنا بھی وافر مقدار میں اگایا جاتا تھا ۔ مسلمانوں نے نہ صرف سپین میں قسما قسم کی فصلیں اور میوے اگائے بلکہ ان کی حفاظت کے طریقے بھی بتائے ۔ مشہور مسلمان ماہر زراعت ابن العوام نے غلوں، پھلوں اور زیتون کو طویل مدت تک محفوظ رکھنے کے طریقے بھی بتائے ۔ سپین میں گندم کو کئی مقامات میں طویل مدت تک محفوظ رکھا گیا ۔ مثلاً:

طلیطہ میں گندم کو محفوظ رکھا گیا: دس سال تک، بقول مقری گندم کو محفوظ رکھا گیا: ۵۰ سال تک، بقول قزوینی گندم کو محفوظ رکھا گیا: ۷۰ سال تک، المنصور نے قلعہ (حصن الفرج میں گندم کو محفوظ رکھا: ۸۰ سال تک، لورقہ میں گندم کو محفوظ رکھا گیا: ۵۰ سال تک، سرقسطہ میں گندم کو محفوظ رکھا گیا: ۱۰۰ سال تک ۔ (یہ سورۃ یوسف میں ریسرچ کا نتیجہ تھا کہ مسلمان ماہرین زراعت نے گندم کو اتنی طویل مدت تک محفوظ رکھا) ۔ انگور کو چھ سال تک محفوظ رکھا گیا ۔ خشک انجیر، آڑو، سیب اور آلو بخارے کو بھی کئی سال تک محفوظ رکھا گیا ۔ مسلمان زراعت دانوں نے دنیا بھر سے پھل اور گندم منگوا کر سپین میں تجربات کئے ۔ مسلمانوں نے بڑے بڑے ماہرین زراعت پیدا کئے ۔ سپین کے چند نامور ماہرین زراعت کے نام اور کارنامے ملاحظہ ہوں:

(۱) ابن بصال (۲) ابوعبداللہ الطغری (۳) ابن حجاج، (۴) ابوالخیرالاشبیلی (۵) ابن العوام ۔

(۱) ابن بصال :- ابن بصال طلیطہ کا رہائشی تھا ۔ اس نے شمالی افریقہ، مصر اور حجاز کا سفر کیا اور زراعت پر دو مشہور کتب تحریر کیں ۔ کتاب الفلاحہ اور القصد والبیان ۔ اس نے ایک نباتاتی باغ بھی بنایا ۔ زمین کی اقسام اور آبپاشی کے موضوع پر بھی کام کیا ۔ ابن العوام نے بھی اس کی کتب سے استفادہ کیا ۔

(۲) ابوعبداللہ الطغری :- وہ ابن بصال کا شاگرد تھا ۔ غرناطہ کے دربار سے منسلک تھا ۔ اس نے

زراعت کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس کا نام تھا " ازھرالبستان ومزھتہ الاذھان " اس کتاب کے مخطوطے غرناطہ، رباط اور تطوان کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

(۳). ابن حجاج :- وہ اشبیلیہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے زراعت کے موضوع پر کتاب " المقنع " تحریر کی۔ اس کی تدوین میں اس نے عربی اور یونانی ماخذ سے استفادہ کیا۔ ابن العوام نے بھی اس کتاب سے استفادہ کیا۔ ابن حجاج نے اپنی کتاب میں تیس ماہرین زراعت کا ذکر کیا ہے۔

(۴). ابوالخیراشبیلی :- وہ اشبلیہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے زراعت کے موضوع پر کتاب " الفلاحہ " تحریر کی۔ اس نے اس کتاب کی تدوین میں ارسطو، اناطولیوس اور ابن الوحشیہ کی کتب اور ذاتی تجربات سے کام لیا۔ اس نے اشبیلیہ کے باغوں، کھیتوں اور جنگلوں میں زرعی تجربات کیے۔ اس نے تجارتی معاملات اور جانوروں پر بھی بحث کی۔

(۵). ابن العوام :- ابن العوام سپین کے علمائے زراعت میں ایک بہت بڑا نام ہے۔ اس کا قیام اشبیلیہ میں تھا۔ وہ بارھویں صدی کا عظیم ماہر زراعت ہے۔ اس نے کتاب " الفلاحہ" تحریر کی اور زراعت وباغبانی میں مسلمانوں کے مشاہدات اور تحقیقات پر کام کیا۔ پہلی دفعہ ایک سکالر کیسیری نے اس کی کتاب کی طرف علماء کی توجہ مبذول کرائی۔ ۱۸۰۲ء میں اس کتاب کا تجریہ اسپانوی زبان میں ہوا۔ ۱۸۴۶ء میں فرانسیسی زبان میں اس کتاب کا ترجمہ ہوا۔ اردو ترجمہ ۱۹۲۷ء میں محمد ہاشم ندوی نے اعظم گڑھ انڈیا سے کیا۔ ابن العوام نے ابن بصال، ابوالخیر اشبیلی اور غریب بن سعد کی تحریروں اور متعدد یونانی اور فارسی ماہرین زراعت کی تحریروں سے استفادہ کیا۔ اسکی کتاب ۳۵ ابواب اور دو حصوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان موضوعات پر کام کیا گیا ہے:

(۱) زمین، کھاد اور پانی کی شناخت اور طریقہ استعمال (۲) اجناس کی کاشت کے طریقے

(۳) مویشیوں کی پرورش (۴) مرغ بانی (۵) شہد کی مکھیوں کی پرورش (۶) ۵۸۵ پودوں اور ۵۵ میوہ جات کے درختوں پر تحقیق (۷) درختوں کی بیماریوں کا علاج اور پیوندکاری کے طریقے۔

فاکس ماہر ہوف نے اس کتاب کو علم زراعت کی عربی زبان میں سب سے عمدہ کتاب قرار دیا۔ یورپ میں یہ کتاب بےحد مقبول ہوئی۔ مسلمانوں نے اسکی تحقیقات کی بناء پر اپنے گھروں کو پھلدار اور پھول دار درختوں اورپودوں سے سجایا۔ الغرض مسلمانوں کی خدمات زرعی میدان میں فقیدالمثال ہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀❀

جناب سید شبیر احمد کاکاخیل صاحب
مدیر عالی ادارہ تسہیل الحسابات الاسلامیہ

جاوید احمد غامدی صاحب کا علم میراث میں تجدیدی کارنامہ

جاوید احمد غامدی ایک ذہین سکالر ہیں ۔ برسوں فراہی مکتب فکر کے مولانا امین احسن اصلاحی کے شاگرد رہے ہیں اور ان ہی کے فکر کے داعی ہیں ۔ میری معلومات مولانا کے بارے میں تقریباً نہ ہونے کے برابر ہیں ، صرف اتنا معلوم ہے کہ کسی وقت جماعت اسلامی کے بانی ارکان میں سے تھے اور بعد میں مودودی صاحب سے اختلافات کے پیش نظر جماعت کو چھوڑ گئے ۔ ان ہی کے مکتب فکر کے جناب ڈاکٹر فاروق صاحب کو میں اپنے زمانہ طالبعلمی سے جانتا ہوں انہوں نے ایک ملاقات میں مجھے میراث کے موضوع کا طالب علم سمجھ کر جاوید احمد غامدی کی تازہ کتاب " قانون معیشت" مطالعہ کیلئے عنایت فرمائی ۔ میں نے اس کتاب کا بڑے شوق سے مطالعہ کیا لیکن میری حیرت کی انتہا نہیں رہی کہ موصوف نے میراث کے مذاہب اربعہ کے اجماعی طریقوں سے ہٹ کر طریقے بیان کیے ۔ میں شذوذپسندی سے ویسے بھی الرجک ہوں اور امت میں کسی بات پر انتشار ڈالنے کو ایک قبیح حرکت تصور کرتا ہوں ، اس لئے ساری کتاب دوبارہ میں نے محتاط انداز سے پڑھی ۔ اس میں موصوف نے امام جصاص ؒ کے حوالے سے بھی اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ۔ میں جناب غامدی صاحب کے بارے میں یہ سمجھنے سے ابھی تک قاصر ہوں کہ اتنے ذہین آدمی کو ایسے اجماعی مسئلے کی چھیڑنے کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ اور یہ کہ اس کے ساتھ اسلام کی کونسی خدمت وابستہ ہے ؟ مجھے ابھی تک یہ بھی پتہ نہیں چلا کہ امت کے اجماعی طریقے میں کونسا سقم ہے جس کو وہ دور کرنا چاہتے ہیں ۔ بظاہر تو اس میں جذبہ خودنمائی کے علاوہ مجھے اس میں کوئی دوسری چیز نظر نہیں آرہی ہے ۔ اگر ایسی بات ہے تو غامدی صاحب سے میں درخواست کروں گا کہ جذبہ خودنمائی کے لئے کسی اور میدان کا انتخاب فرمائے ورنہ ایمان کے لالے پڑجائے گیں ۔ چونکہ میراث کو خلاف واقعہ ایک مشکل علم سمجھا جاتا ہے ۔ اس لیے اس کی کتاب پر ابھی تک کوئی تبصرہ بھی نہیں آیا ۔ بندہ بھی اس فن کا طالب علم ہے اس کے بارے میں اپنی سمجھ کے مطابق اپنی معلومات کو غامدی صاحب کے سامنے لانا چاہتا ہے ممکن ہے غامدی صاحب کی اس سے تشفی ہوجائے یا کم ازکم دوسرے علمائے کرام کی بھی اس طرف توجہ ہوجائے تو زیادہ بہتر طریقے سے فقہاء کی تحقیق غامدی صاحب کے سامنے

رکھیں۔ غامدی صاحب جیسے محقق سے یہ بات بعید سمجھتا ہوں کہ اگر اس کو اپنی تحقیق میں کوئی غلطی نظر آئی تو وہ حق کی طرف رجوع کرنے میں کوئی مشکل محسوس کریں۔ اصل میں بات بہت دور تک جاری ہے کیونکہ فقہاء کی تحقیق کے پیچھے قرآن، سنت اور اجماع ہے اور اس کے خلاف اگر کوئی بات کرنے لگے تو ایمان کا بچانا مشکل ہوجاتا ہے اس لئے بندہ یہ چاہتا ہے کہ غامدی صاحب جیسے ذہین اسلام کے خادم اور سرمایہ رہیں لہذا حق تعالیٰ سے توفیق اور رہنمائی کی دعا کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ چونکہ اس مسئلے کا تعلق قرآن کی تفسیر کے ساتھ ہے اور قرآن کی جو تفسیر محض عربیت کی بنیاد پر ہو اور اس کے پیچھے سنت رسول، اجماع امت یا صحابہ کرامؓ کی تائید نہ ہو تو پھر اسے تفسیر بالرائے کہتے ہیں جس کے بارے میں غامدی صاحب نے ابوداود ونسائی کی شاید یہ حدیث شریف پڑھا ہو: " من تکلم فی القرآن برایه فاصاب فقد اخطا " یعنی جو شخص قرآن کے معاملے میں محض اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔ اللہ تعالیٰ نہ کرے کہ غامدی صاحب کو ایسی جرات ہو اس لئے اگر صرف غلط فہمی ہو تو شاید یہ چند سطریں ان کے دوجہاں سے زیادہ مفید بن جائیں اور اگر خدانخواستہ معاملہ دوسرا ہو تو پھر اس کے نتائج Consiquences کی تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر قسم کے فتنے سے بچائے۔ قانون معیشت کے صفحہ نمبر 26 پر سورۃ نساء کی میراث سے متعلقہ آیات کے ترجمہ کے بعد تیسرے پیرگراف میں غامدی صاحب لکھتے ہیں " والدین اور بیوی یا شوہر کا حصہ دینے کے بعد ترکے کی وارث میت کی اولاد ہے۔ مرنے والے نے کوئی لڑکا نہ چھوڑا اور اس کی اولاد میں دو یا دو سے زیادہ لڑکیاں نہ ہوں تو انہیں بچے ہوئے ترکے کا دوتہائی دیاجائے گا۔ ایک ہی لڑکی ہوتو وہ نصف کی حقدار ہوگی۔ میت کی اولاد میں صرف لڑکے ہی ہوں تو یہ سارا مال ان میں تقسیم کیا جائے گا "۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ میت کی اولاد چاہے نر ہو یا مادہ غامدی صاحب ان کو عصبات سمجھتے ہیں حالانکہ اس پر اجماع ہے کہ اگر میت کا بیٹا نہ ہو تو میت کی بیٹیاں ذوی الفروض ہوتی ہیں۔ یہ ایک ہوتو اس کو نصف ملتا ہے اور کئی ہوں تو دوتہائی مشترکہ طور پر کل مال میں لیں گی، جیساکہ آیت مبارکہ میں ہے: " فان کن نساء فوق اثنتین فلهن ثلثا ما ترک وان کانت واحدة فلها النصف "۔ میں نہیں سمجھتا کہ کیوں غامدی صاحب کو اپنے اس تحقیق پر اس حدتک اعتماد ہے کہ اس کے مقابلے میں سارے فقہاء کی جو اجماعی تحقیق ہے اس کو بھی سراسر غلط کہہ رہے ہیں اور اس پر دلیل وبرھان قائم کرنے کیلئے ایسی عظیم غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں کہ اس کو اگر کوئی علمی خیانت کہہ دیں تو اس کو جواب دینا مشکل ہوگا جیساکہ صفحہ نمبر 61 پر والدین کا

حصہ بیان کرنے کے لئے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۱ کی تفسیر کے طور پر لکھتے ہیں۔

ولابویہ لکل واحد منھما السدس مماترک " یہ جملہ فان کن نساء فوق اثنتین اور وان کانت واحدۃ پر نہیں بلکہ اس پورے حکم پر عطف ہوا ہے جو اولاد کے لئے بیان ہوا چنانچہ اس میں عطف اب جمع کے لئے نہ ہوگا۔ اسے بہرحال استدراک ہی کیلئے مانا جائے گا اس کی وجہ یہ ہے کہ للذکر مثل حظ الانثیین میں یہ بات تو بیان ہوئی ہے کہ لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہوگا، لیکن یہ کتنا ہوگا؟ اس کی تعین اس حکم میں نہیں ہے۔ یہ اسی طرح کا اسلوب ہے جس طرح مثال کے طور پر ہم اپنی زبان میں یہ کہیں کہ " یہ روپے بچوں کیلئے ہیں۔ لڑکوں کو لڑکیوں سے دگنا دیجئے اور اس میں سے آدھی رقم آپ کے ابا کے لئے ہے "۔ ان جملوں کو دیکھئے۔ ان سے قائل کا مدعا بالکل واضح ہے۔ جو شخص بھی زبان سے آشنا ہوگا وہ ان سے یہی مطلب سمجھے گا کہ روپے درحقیقت بچوں کے لئے دیئے گئے ہیں اس لئے بات اگر پہلے دو جملوں پر ہی تقسیم ہو جاتی تو ساری رقم لڑکوں اور لڑکیوں میں اسی نسبت سے تقسیم کردی جاتی جو ان جملوں میں بیان ہوئی ہے، لیکن قائل نے اس کے بعد چونکہ آدھی رقم ابا کو دینے کے لئے کہا ہے اس وجہ سے یہ ضروری ہے کہ ابا کا حصہ پہلے دیا جائے اور باقی جو کچھ بچے وہ اس کے بعد ان بچوں میں تقسیم کیا جائے۔ ہمارے فقہاء بھی یہی کہتے ہیں۔ ابوبکر جصاص نے " احکام القرآن " میں لکھا ہے:

" وافادایضاً انہ اذا کان مع الاولادذوسھام نحوالابوین والزوج والزوجۃ ، انھم اخذوحظوظھم ، کان الباقی بعدالسھام بین الاولاد "

ترجمہ:۔ " اور آیت للذکر مثل حظ الانثیین کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اگر اولاد کے ساتھ دوسرے وارث مثلاً والدین اور شوہر یا بیوی موجود ہوں تو ان کا حصہ ادا کرنے کے بعد باقی ترکہ اولاد میں تقسیم کیا جائے گا لیکن ہمارے فقہاء سے یہ غلطی ہوئی کہ انہوں نے فان کنّ نساء فوق اثنتین کو ولابویہ کی طرح مستقل مانا "۔ اس میں غور طلب یہ بات ہے کہ امام جصاصؒ کی تحریر میں بین الاولاد پر بات ختم کردی حالانکہ ان کی تحریر اس کے بعد یہ ہے " للذکر مثل حظ الانثیین و ذالک لان قولہ تعالیٰ للذکر مثل حظ الانثیین اسم للجنس یشتمل علی القلیل والکثیر منھم فلما اخذوذوالسھام کان الباقی بینھم علی ما کانوا یستحقونہ لو لم یکن ذوسھم " یہاں پر آیت کے پہلے حصے کی تشریح ختم کرنے کے بعد امام جصاصؒ دوسرے حصے کی تشریح شروع فرماتے ہیں۔ حضرت امام جصاصؒ کی تشریح کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ایک حصہ

الگ الگ بیان کرنے کے بعد پھر مجموعی بات کرتے ہیں اب غامدی صاحب نے یہاں ایک تو للذکر مثل حظ الانثیین کو چھوڑا جس سے یہ پتہ چلتا کہ یہ صرف اسی حصے کی تشریح ہے نیز اس سے اگلے حصے کی تشریح کو بالکل حذف کر گئے اور مجموعی بات سے صرف نظر کیا دوسرا یہ کہ اسی حصے کو حضرتؒ کی طرف سے مجموعی بات کے طور پر پیش کیا۔ غامدی صاحب کو بھی شاید یہ پتہ ہوگا کہ کسی کی تحریر میں اس طرح کانٹ چھانٹ کی اجازت نہیں ہوا کرتی۔ افسوس تو یہ ہے کہ غامدی صاحب اگر امام جصاصؒ کی تحریر کے چند سطریں اور پڑھتے تو اس کو نظر آجاتا کہ حضرت امامؒ دوسرے حصے کی تشریح کے طور پر فرماتے ہیں: " فنص علی نصیب مافوق الابنتین وعلی واحدة ولم ینص علی فرض الابنتین لان فحوی الآیة علی بیان فرضھما " پس امام جصاصؒ تو بیٹیاں اگر دو ہوں اور بیٹا نہ ہوں تو ان کو ذوی الفروض قرار دیتے ہیں لیکن غامدی صاحب اس سے ہر قسم کی اولاد کا عصبہ ہونے پر دلیل پکڑتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت یہ فرماتے کہ فقہاء بھی یہی کہتے ہیں جبکہ اس سے چند سطروں کے فاصلے پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ فقہاء کو غلطی لگی۔ اب موصوف کی کونسی بات مانی جائے۔ غامدی صاحب اس سے بھی ناواقف نہیں ہوں گے کہ قرآن کی جو تفسیر حدیث شریف سے ثابت ہو اس کے مقابلے میں کسی اور کی تفسیر نہیں ٹھہر سکتی تو غامدی صاحب کے لئے حدیث جابر کا ڈھونڈنا شاید مشکل نہیں ہوگا جس میں یہ ارشاد ہے کہ

" جاء ت امراة سعدبن الربیع الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بابنتیھا من سعد فقالت یارسول اللہ ھاتان ابنتا سعد بن الربیع قتل ابوھمامعک فی احد شھیدا وان عمھما اخذ مالھما فلم یدع لھما مالا ولا ینکحان الابمال فقال یقضی اللہ فی ذالک فنزلت آیة المیراث فارسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی عمھما فقال اعط ابنتی سعد الثلثین وامھما الثمن ومابقی فھولک رواہ خمسة الانسائی وحسنہ الترمذی "۔ اس حدیث شریف کے بعد کون بیٹیوں کو بیٹوں کی غیر موجودگی میں عصبہ کہہ سکتا ہے۔ اگر غامدی صاحب کہہ دیں کہ مجھے اس حدیث شریف کا پتہ نہیں تھا تو اسی مفہوم کی اس سے ملتی جلتی دوسری حدیث شریف امام جصاصؒ نے جن کا حوالہ موصوف نے دیا ہے بھی احکام القرآن میں اس آیت کریمہ کی تشریح میں لکھی ہے اگر کبھی غامدی اس کو بھی ذرا اطمینان سے دوبارہ پڑھ لیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ غامدی صاحب کی عربی دانی مسلم لیکن اس کو شاید یہ پتہ ہوگا کہ جن فقہاء نے اس کی اجمالی تشریح کی ہے وہ بھی عرب تھے تو ایک طرف اگر صحابہ کرامؓ اور آئمہ اربعہ ہوں اور دوسری طرف غامدی صاحب تو لوگ کس کے قول سے دلیل پکڑیں گے ظاہر

ہے باقی عرب و عجم نے اگر اس آیت کا یہی مفہوم لیا ہے کہ بیٹیاں نر اولاد کی موجودگی میں ذوی الفروض ہیں تو لوگ اس کو ہی دلیل کے طور پر پکڑیں گے۔ یہ تو نقلی تحقیق تھی جو پیش کی گئی جس میں غامدی صاحب جیسے ذہین کے لئے رجوع کرنے کا کافی سامان موجود ہے لیکن عربی زبان کے طور پر بھی ایک عام آدمی اگر اس کو روانی سے پڑھے گا تو اس کا وہی مفہوم لے گا جو سب نے لیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمھیں حکم دیتے ہیں اولاد کے بارے میں کہ ان میں للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق تقسیم ہو۔ چونکہ اس میں ذکور اور اناث دونوں کا ذکر ہے اس لئے یہ تو عام قانون ہوا یعنی ذکور اور اناث کی موجودگی میں اس پر عمل کیا جائے لیکن جب عورتیں مردوں کے بغیر ہوں تو یہ اس عام قانون سے استثناء ہوا اس لئے فان کن نسآ۔ بمعنی استثنیٰ آگیا یعنی جس وقت صرف عورتیں ہوں تو ان کے لئے کل ترکے کا دوتہائی ہوگا اس سے ان کا ذوی الفروض ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ ثلثا ماترک فرمایا گیا یعنی میت جو ترکہ چھوڑ مرا ہے اس کا دوتہائی ورنہ یہاں ثلثا مابقی فرماد یتے یا اس مفہوم کے اور الفاظ ہوتے۔ یہاں پہلا فقرہ تمام ہوجاتا ہے تب ہی تو اس کے بعد اہل عجم کو سمجھانے کے لئے وقف مطلق کی علامت کے طور پر چھوٹی "ط" لکھا جاتا ہے اس کے بعد جو بیان ہے وہ دوسرے ذوی الفروض کے بارے میں ہے کیونکہ اس کے ساتھ پھر مماترک آیا ہے اب نہ معلوم غامدی صاحب کس قاعدے سے اوپر کے فقرے کو اگلے کے ساتھ خلط کرتے ہیں۔ اب یہاں تک قانون صرف اولاد کی موجودگی کا بتایا جارہا تھا اس کے بعد دوسرا قانون بتایا جاتا ہے جس میں

" ولابویہ لکل واحد منھما السدس مماترک ان کان لہ ولد " میں ماں باپ کا حصہ بطور فرض ذکر ہے پس اگر یہ ولد بمعنی اولاد ذکور اور اناث موجود ہو تو ابوین کو اپنا فرض دینے کے بعد جو باقی بچے گا اس کو اولاد میں پہلے قاعدے کے مطابق تقسیم کیا جائے گا اور وہ پہلا قاعدہ پہلے کی طرح پھر دو حصوں پر مشتمل ہوگا جس میں پہلے حصے کے مطابق اگر اولاد ذکور اور اناث دونوں موجود ہو تو ان کو باقی بچا ہوا ترکہ للذکر مثل حظ الانثیین کے مطابق حصہ دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں ان کے حصے کا تعین نہیں کیا گیا بلکہ ان کے لئے للذکر مثل الانثیین کا قانون بتایا ہے جس پر عمل تب ہی ہوسکتا ہے جب ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد جو باقی بچے اس میں سے ان کو حسب قاعدہ مذکورہ دیا جائے، لیکن اگر صرف اناث ہوں تو اسی قانون کے آخری حصے کے مطابق اناث کو اگر ایک سے زیادہ ہوں اپنا فرض یعنی کل مال کا دوتہائی دیا جائے اور اکیلی بیٹی ہونے کے صورت میں اس کو کل مال کا نصف دیا جائے گا کیونکہ یہاں ان کا حصہ کل مال میں بتایا گیا ہے جس کی نشاندہی ماترک سے ہوتی ہے۔ اب اولاد میں صرف ایک صورت باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ

ہے کہ ان میں صرف ذکور ہوں تو ان کو حصہ کیسے دیا جائے گا تو اگر چہ اس کا یہاں حکم محذوف ہے لیکن ایک متفق علیہ حدیث شریف میں اس کا حکم یہ آیا ہے کہ ذوی الفروض کو اپنا اپنا حصہ دینے کے بعد باقی سارا پہلے مرد (عصبہ) کو دو اور اس پر اجماع ہے کہ بیٹا موجود ہو تو میت کے لئے اس سے قریب اور کوئی نہیں ہوسکتا ہے اس لئے اس کو وہ باقی ترکہ کل کا کل اس کو ملے گا۔ یہ تو ہے حدیث شریف کا فیصلہ اور ہم سب کے لئے اس کو کافی ہونا چاہئیے لیکن امام جصاصؒ نے کمال ذہانت سے قرآن سے بھی اس کی توجیہ ثابت فرمائی ہے اور وہ یوں کہ جیسے اکیلی بیٹی کو نصف دیا جارہا ہے اور مردوں کو عورتوں کا دگنا دیا جائے تو عقلاً اکیلے مرد کے لئے کل ترکہ ہونا چاہئیے اور دوسرے ذوی الفروض موجود ہوں تو ان کی موجودگی میں اس کو باقی ترکے کا کل دیا جائے گا۔ اب ایک اور صورت ہے جس کا حکم غامدی صاحب کو بھی خود بخود سمجھ میں آنا چاہئیے وہ یہ ہے کہ بیٹے اگر ایک سے زیادہ ہو تو سب کو کل کیسے دیا جائے گا ؟ تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ چونکہ سب کا استحقاق برابر ہے اور کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح حاصل نہیں اس لئے وہ باقی مال ان سب میں برابر برابر تقسیم کیا جائیگا۔ آیت کا صحیح مدعا یہی ہے جو شخص بھی ولابویہ میں حرف " و" اور " فان کن نساء " میں حرف " ف" کی دلالت کو سمجھتے ہوئے پڑھے گا۔ کلام کا یہ مدعا بغیر تکلف کے اس پر واضح ہوجائے گا۔ ہمارے فقہاء اس کو سمجھنے سے قاصر رہے چنانچہ وہ لڑکیوں کو پورے ترکے کا دوتہائی دلوانا چاہتے ہیں۔ بندہ کے خیال میں غامدی صاحب کو یہ برادرانہ مشورہ ہرگز مناسب نہیں ہوگا کہ غامدی صاحب فقہاء کے ساتھ زیادہ بے تکلفی نہ برتیں کیونکہ ہم ان کے برابر ہرگز نہیں۔ اب ہمیں تو تکلف سے بھی اس کا مطلب وہ سمجھ میں نہیں آیا جو غامدی صاحب لیناچاہتے ہیں اور غامدی صاحب کو ایسا سمجھ میں آیا ہے کہ اس کے لئے فقہاء سے اجماع اور سنت رسولؐ سے بھی اعراض کی جسارت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایسی جسارت سے بچائے اور غامدی صاحب کو بھی اس ابتلاء سے نکالے۔ آخر سب غلام احمد پرویز اور غلام احمد قادیانی کو کیونکہ دوسرے کیمپ میں سمجھتے اس لئے کہ وہ قرآن کے اس تشریح کے منکر ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کیا ہے۔ اگر فیصلہ صرف عربی دانی پر ہونے لگے تو ان کو کیا جواب دیا جائے گا۔ آگے غامدی صاحب ایک اور جسارت کر گزرتے ہیں کہ عول سے بھی انکار کرتے ہیں حالانکہ عول پر بھی اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔ صفحہ نمبر 62 پر رقمطراز ہے کہ " لیکن ہمارے ان فقہاء سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے

" فان کن نساء فوق الثنتین کو " ولابویہ " کی طرح اپنے مقام پر مستقل مانا اور پھر 1/2 کو 1/3 اور 1/4 میں جمع کرنے کے درپے ہوئے "۔ اب غامدی صاحب خیال فرمائیں کہ ان فقہاء میں

اس وقت کون تھے ۔ حضرت عباسؓ ، حضرت زید بن ثابتؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ باقی تمام صحابہ کرامؓ ۔ اگرچہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے اس کا انکار فرمایا لیکن باقی صحابہؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے صاف فرمایا کہ آپ کی وہ رائے جو جماعت کے ساتھ تھی وہ ہمیں آپکی اس رائے سے جو جماعت کے خلاف ہے زیادہ مقبول ہے پس جماع ایسی عظیم الشان دلیل ہوتی ہے کہ اس کیلئے حضرت ابن عباسؓ کی رائے کو بھی قبول کرنے سے صحابہؓ نے عذر کیا ہے اس طرح اس کے بعد پھر اس پر اجماع قائم ہوگیا ۔ اب اگر اس پر اجماع نہ بھی ہوتا تو صحابہؓ کی اس جم غفیر کا ایسا مذاق اڑانے کی اجازت تو شاید کسی محقق کو نہیں دی جاسکتی ۔ امام جصاصؒ نے بھی حضرت ابن عباسؓ کا احتلافی نوٹ بیان کرنے کے بعد اجماع کی کیسی زبردست تائید کی اور اس تائید میں بہت تیز لہجہ اختیار فرمایا حتیٰ کہ حضرت امامؒ نے

یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین سے ہی عول کا ثبوت پیش کیا جو حضرت کی جلالت شان اور اعلیٰ قرآن فہمی پر دلالت کرتا ہے ۔ حضرتؒ لکھتے ہیں " قال اللّٰہ تعالی من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین فلو ترک المیت الف درھم وعلیہ الدین لرجل الف درھم ولآخر خمس مائۃ ولآخر الف کانت الالف الترکہ مقسومۃ بینھم علی قدر دیونھم ولیس یجوز ان یقال لمالم یمکن استیفاء الفین وخمس مائۃ من الف استحال الضرب بھا وکذالک لو اوصی رجل بثلث مالہ وبسدسہ لآخر ولم تجز ذالک الورثۃ تضارباً فی الثلث بقدر وصیاھم فیضرب احدھما بالسدس ولآخر بالثلث مع استحالۃ استیفاء النصف من الثلث وکذالک للابن یستحق للابن جمیع المال لوانفرد وللبنت النصف لوانفردت فاذا اجتمعا ضرب للابن بجمیع المال والبنت بالنصف فیکون المال بینھما اثلاثاً وھکذا سبیل العول فی الفرائض عند تدافع السھام واللّٰہ اعلم ۔ " یعنی عول کو ثابت کرنے کیلئے امام جصاصؒ فرماتے ہیں کہ اللّٰہ تعالیٰ فرماتے ہیں " من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین " یعنی وصیت کی اجراء اور قرض کی ادائیگی کے بعد پس اگر کسی میت نے ایک ہزار درہم ترکہ چھوڑا ہو اور اس پر ایک شخص کا 1000 روپے قرض ، دوسرے کا پانچ سو روپے اور تیسرے کا بھی 1000 روپے ہو تو ان سب کو ان کے قرضوں کے تناسب سے ادائیگی کی جائے گی ۔ اس طرح اگر میت ایک شخص کے لئے ایک تہائی کی اور دوسرے کے لئے چھٹے حصے کی وصیت کرے تو ان میں سے پہلے کو 2/9 اور دوسرے کو 1 / دیا جائے گا چونکہ ان دونوں میں وہی نسبت ہے جو ان کسور میں ہے جن کی وصیت کی گئی ہے

اور ان دونوں کو مجموعہ 1/3 ہے جس کی زیادہ سے زیادہ وصیت کی جاتی ہے۔ حضرت امامؒ نے ایک مثال قرآن سے دی ہے اور وہ یہ کہ بیٹی کا حصہ اگر اکیلی ہو تو نصف ہوتا ہے اور بیٹے کا حصہ بیٹی کا ڈبل ہوتا ہے پس اگر بیٹا اکیلا ہو تو اس کو کل ملنا چاہیئے پس اگر دونوں موجود ہوں تو ان دونوں کا مجموعہ 3/2 ہوگیا جو کہ نہیں ہوسکتا، اس لئے اس کو 1 بنانے کے لئے 3 /2 سے ضرب دی پس ان دونوں کے حصوں کو 2/3 سے ضرب دینا پڑے گی اور بیٹی کو 1/3، بیٹے کو 2/3 دینا پڑے گا۔ بعینہ یہی طریقہ عول میں کرنا پڑتا ہے کہ ذوی الفروض کے حصص کا مجموعہ جب اصل سے بڑھ جائے تو ان میں ان حصص کے تناسب سے کمی کی جاتی ہے۔ پس امام جصاصؒ تو عول پر اتنے عمدہ دلائل دے رہے ہیں اور جناب غامدی صاحب ان کو عول کی مخالفت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔ کاش غامدی صاحب امام جصاصؒ کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے کہ انہوں نے باوجود اپنی رائے کے مخالف ہونے کے حضرت ابن عباسؓ کا اختلافی پورا بیان فرمایا جس کے بعد اپنی تشریح تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی جو محققین کا طرہ امتیاز ہے، لیکن غامدی صاحب نے ان سے حضرت ابن عباسؓ کا نوٹ تو لیتے ہیں لیکن ان کی اپنی تحقیق سے جس کے لئے وہ ساری تمہید باندھی گئی تھی صرف نظر کرتے ہیں۔ کاش غامدی صاحب ابن عباسؓ کا قول آثار صحابہ سے براہ راست بیان کرتے تو اس میں کسی قاری کو یہ کوفت تو نہ ہوتی کہ غامدی صاحب امام جصاصؒ جیسے محقق کے ساتھ ناانصافی کے مرتکب ہورہے ہیں۔ ویسے اس کو ناانصافی نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے؟ یہ بھی تو نہیں کہا جاسکتا کہ انہوں نے صرف یہی فقرے پڑے تھے جو لکھے تھے اور اس سے پہلے اور بعد میں کچھ بھی نہیں پڑھا تھا اور اگر یہ مان لیا جائے کہ ایسا ہی ہوا تو پھر تو کوئی بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ غامدی صاحب تو صرف وہ بات پڑھتے ہیں جس سے اس کی رائے ثابت ہوتی ہو بیشک اس کے لئے اس کو دوسروں کی تحریروں میں تصرف کرنے کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔ غامدی صاحب نے اگرچہ رد کا بھی انکار کیا ہے لیکن اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی اس لئے اس پر سوائے افسوس کے کیا ہوسکتا ہے۔ کاش غامدی صاحب ایسی باتوں کو جن پر اتفاق ہوچکا ہے نہ چھیڑتے۔ کیا دین کی خدمت فقہ کی ان چار ستونوں قرآن، حدیث، اجماع اور اجتھاد کے ذریعے ممکن نہیں۔ ہوسکتا ہے مجھے غلط فہمی ہوئی ہو لیکن مجھے تو یہ لگتا ہے کہ شاید غامدی صاحب اجماع کے ہوتے ہوئے بھی اجتھاد کے قائل ہیں۔ خدانخواستہ اگر ایسی بات ہے تو شاید ہمیں ایک جدید غلام احمد پرویز کے مقابلے کیلئے تیار ہونا پڑے گا۔ رد کے بارے میں ان کی معلومات کے لئے عرض کروں کہ رد پر سوائے حضرت زید بن ثابت باقی تمام صحابہ کرامؓ متفق ہیں اور مالکیہ اور شوافع نے اس میں حضرت زید بن ثابت کی رائے کے مطابق رد کی بجائے بیت المال

بقیہ صـ 43 پر ..... ★ ——

جناب حافظ محمد طاہر محمود اشرفی

پاکستان کے ایٹمی دھماکوں پر عالم اسلام کا اظہار مسرت

۲۸ مئی کو پاکستان دھماکے پر جہاں جاپان ، جرمنی ، برطانیہ ، سویڈن ، روس اور آسٹریلیا ، سویزرلینڈ ، کینیڈا اور امریکہ سمیت بعض دوسرے مغربی ملکوں نے ناپسندیدہ رد عمل کا اظہار کیا ہے وہاں بعض مسلمان ممالک کی طرف سے خوشی ومسرت کے اظہار کے ساتھ ساتھ اسے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے عالم اسلام کے لئے ایک نیک شگون اور ایک عظیم کامیابی قرار دیا گیا ہے ۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں پر ناک منہ چڑھانے والے دوسرے ممالک نے بھارت کے ایٹمی دھماکوں پر تو خاموشی اختیار کی یا محض دبے لفظوں میں ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے بعد فراموش کرگئے حالانکہ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلمہ ہے کہ بھارت ہی پورے خطے میں ایٹمی دوڑ شروع کرنے اور طاقت کا توازن درہم برہم کرنے کا اصل ذمہ دار ہے ۔ اگر پاکستان بھارت کی ان ایٹمی تیاریوں پر خاموشی اختیار کرتا تو وہ لازماً اپنی آزادی اور خود مختاری سے ہاتھ دھو بیٹھتا کیونکہ بھارت نے پاکستان پر دو جنگیں مسلط کیں ۔ کشمیر کے ایک حصے پر جنگ کے ذریعے قبضہ جمایا اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کو پس پشت ڈال کر ان کا مذاق اڑاتا جارہا ۔ دسمبر ۷۱ء میں امریکہ اور اسرائیل کو اپنے ساتھ ایک سازش میں شریک کرکے مشرقی پاکستان پر حملہ کرکے اسے جدا کردیا ۔ لہذا پاکستان کا کوئی بھی حکمران بھارت کے جارحانہ عزائم سے بے خبر نہیں رہ سکتا تھا اور نہ ہی ان پر خاموشی اختیار کی جاسکتی تھی ۔ مغربی میڈیا خاص طور پر بھارت اور اسرائیل کی طرح پاکستان کے ایٹمی پروگرام کو اسلامی بم کا نام دینے کے پراپیگنڈہ کے پیچھے بھی انکی اسلام دشمنی کا عنصر اس طرح نمایاں نظر آتا ہے اس حوالے سے پورے عالم اسلام نے اگر پاکستان کے کامیاب ایٹمی دھماکوں پر اظہار مسرت کیا ہے اور اسے نہ صرف پاکستان بلکہ پورے اسلام کی کامیابی قرار دیا ہے ، تو وہ اس میں حق بجانب ہیں اور اب پاکستان کو بھی اسلامی بم کے نام پر مغرب کے کسی لغو پروپیگنڈہ کا جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہونی چاہئیے ۔ ہمیں یہ عتراف کرنا چاہئیے کہ ہاں یہ عالم اسلام کی کامیابی ہے اور اس سے تمام مسلمان ممالک کو تحفظ ملے گا ۔ پاکستان کو کسی معذرت خوانہ طرز عمل اختیار کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ۔ پاکستان کی کامیابی پر عالم اسلام کی مسرت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ خادم الحرمین شاہ فہد نے سعودی عرب میں پاکستان سفیر سے ملاقات کی اور پاکستان کی اس کامیابی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ سعودی عرب پاکستان کی سلامتی اور تحفظ کو مستحکم دیکھنے کا خواب رکھتا ہے ۔ سعودی عرب کے بعض شہریوں کی طرف سے ایک رقم اکھٹی کرکے پاکستان کو ارسال کی اور

عام شہریوں نے بھی اس پر بے پناہ مسرت کا اظہار بھی کیا۔ اسلامی کانفرنس کی تنظیم کی طرف سے بھی پاکستان کی اس عظیم کامیابی پر پیغام تہنیت دیا گیا۔ یہ گویا پورے عالم اسلام کی ترجمانی تھی۔ عرب ممالک کے اخبارات نے پاکستان کی اس کامیابی پر حوصلہ افزائی بھی کی یہاں تک کہ عرب ممالک کو بھی اسرائیل سے تحفظ حاصل ہوجائیگا۔ پاکستان میں سعودی سفیر نے مسلمان ممالک کے سفیروں کو اپنے یہاں جمع کیا اور پاکستان کے قابل فخر فرزند اور عالم اسلام کے ہیرو ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو ٹیلی فون پر اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ آپ صرف پاکستانی ہی نہیں پورے عالم اسلام کے قابل فخر فرزند ہیں اور اسلامی ممالک کے سفیر آپکی کامیابی پر بے حد مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ اسلامی ممالک کے سفیروں اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم کی طرف سے بھی کہا گیا ہے کہ مسلمان ممالک پاکستان کے خلاف کسی قسم کی پابندی کی حمایت نہیں کریں گے۔ متحدہ عرب امارات کے سربراہ شیخ زید بن سلطان نے بھی پاکستان کے متعلق ایسے ہی جذبات کا اظہار کیا۔ ایران کے وزیر خارجہ پاکستان کے دورے پر تشریف لائے، انہوں نے پاکستان کی کامیابی پر بے پناہ مسرت کا اظہار کیا۔ ایران کے صدر اور وزیراعظم کے خصوصی پیغامات وزیراعظم کو پہنچائے اور پاکستان کو تیل، گیس اور کئی دوسری اشیا ادھار فروخت کرنے کی پیشکش کی۔ اسطرح پاکستان کے ساتھ گہری دوستی کا ایک اظہار کیا، اس پر اسرائیل نے یہ بے بنیاد پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ پاکستان اب ایران کو بھی ایٹمی ٹیکنالوجی فراہم کرے گا۔ وہی اسرائیل جو ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے کی دھمکی دے رہا تھا اور پاکستان کے ایٹمی دھماکے سے پہلے بھارت اور اسرائیل پاکستان کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کرنے کی تیاریاں مکمل کرچکے تھے۔ پاکستان نے ان تیاریوں کے ثبوت بھی فراہم کردیے ہیں اگرچہ اب اسرائیل اور بھارت اس سے مکر گئے ہیں لیکن بھارت کی طرف سے جنگی تیاریوں اور پاکستان پر حملہ کرنے کی کوششیں بے شمار جاری ہیں اور تازہ ترین اطلاع کے مطابق بھارت نے راجستان کے محاذ پر زبردست جنگی تیاریاں شروع کررکھی ہیں جہاں پر اسکی فوجیں جمع ہورہی ہیں اس سے پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کا جواز بھی پیدا ہوتا ہے اور حکومت پاکستان کیلئے لمحہ فکریہ بھی ہے کہ وہ بھارت کے زبانی دعووں اور پیشکشوں پر قطعاً اعتبار نہ کرے اور اپنے دفاع کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی کوششیں جاری رکھے۔

عوامی جمہوریہ چین پاکستان کا انتہائی مخلص اور آزمودہ دوست ملک ہے۔ اس نے نہ صرف پاکستان کے ایٹمی دھماکوں کو درست قرار دیا ہے بلکہ یہ اعلان کیا ہے کہ چین آزمائش کے ان لمحات میں پاکستان کو تنہا نہیں رہنے دے گا اور اسکا بھرپور ساتھ دے گا۔ بعض افغان رہنماؤں نے جن میں گلبدین حکمت یار ربانی اور مولوی سمیع اللہ بھی سامل ہیں۔ پاکستان کو اس کامیابی پر مبارکباد دی ہے۔ طالبان حکومت نے پاکستان کی کامیابی پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اسے عظیم کامیابی اور

افغانستان کی حکومت کیلئے استحکام کا باعث قرار دیا ہے۔ فلپائن کے مورد مسلمانوں کی طرف سے بھی پاکستان کی کامیابی پر اظہار مسرت کیا گیا۔ یہ وہ مسلمان ہیں جو گذشتہ کئی سالوں سے آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اور فلپائنی فوج کے مظالم کا نشانہ بن رہے ہیں۔ عرب ملک شام کی طرف سے بھی پاکستان کے خلاف اقتصادی پابندیوں کی مذمت کی گئی ہے۔ متحدہ عرب امارات نے پاکستان کے ایٹمی دھماکے کو اس کا حق قرار دیا ہے۔ مصری دانشوروں اور اخبارات نے بھی پاکستان کے سائنسدانوں کو خراج تحسین پیش کیا ہے اور اسے اسلامی دنیا کے لئے قدرت کا سرچشمہ کہا ہے۔ اسلامی ممالک مختلف اسلامی تنظیموں اور پاکستان کے دوست ممالک کے یہ تاثرات اس بات کا ثبوت ہیں کہ پاکستان کے ایٹمی دھماکوں سے اس کے دوستوں اور عالم اسلام میں زبردست مسرت کا اظہار ہو رہا ہے اور اسے عالم اسلام کے لئے قوت اور طاقت کا سرچشمہ قرار دیا جارہا ہے، اسکے کچھ مغربی ممالک کی ایٹمی قوت پر اجارہ داری اور کسی مسلمان ملک کی طرف سے اس جدید ایٹمی ٹیکنالوجی کے حصول کی کوششوں پر پابندی اور شدید ردعمل نے مسلمان ممالک میں عدم تحفظ کا دو احساس پیدا نہیں کیا تھا بلکہ ان اجارہ دار قوتوں کی طرف سے بھارت اسرائیل اور جنوبی افریقہ کی ایٹمی تیاریوں سے چشم پوشی نے انہیں مایوس کیا اور اس یک طرفہ سلوک پر وہ سراپا احتجاج بنے رہے لیکن دفاعی صلاحیتوں کی کمی اور کمزوری نے ان کی زبانیں بند کردیں۔ کئی مسلمان ممالک اپنی دفاعی کمزوری کی وجہ سے دشمن کی جارحیت کا نشانہ بنے لیکن اقوام متحدہ اسلامتی کونسل اور عالمی طاقتوں نے اس کے حق میں نہ صرف یہ کہ آواز نہ اٹھائی بلکہ وہ جارح ممالک کی حمایت کرتے رہے۔ عربوں کے خلاف اسرائیلی جارحیت، مقبوضہ کشمیر میں بھارتی مظالم، بوسنیا میں سربوں کے ان گنت مظالم اور اب البانوی مسلمانوں کے خلاف سربوں کے جارحیت، قبرص میں ترک اقلیت کے خلاف یونانیوں کی جارحیت یہ ایسے واقعات ہیں جو مسلمانوں کو اپنی ان کم دفاعی صلاحیتوں میں اضافہ کرنا اور اپنے اپنے دفاع کو ناقابل تسخیر بنانے کا درس دیتے ہیں۔ عالم اسلام کے پاس جوہر قابل کی کمی نہیں وسائل بھی قدرت نے عطا کر رکھے ہیں۔ ضرورت جوہر شناسی اور وسائل کو یکجا کرنے کی ہے۔ امریکہ نے مسلمان طالب علموں پر جدید ایٹمی سائنس کی تعلیم کے حاصل کرنے پر پابندی لگادی ہے اور مسلمان طلبہ کو امریکی یونیورسٹیوں میں ان مضامین کی تعلیم حاصل کرنے کیلئے داخلہ نہیں ملتا۔ ایسے مسلمانان ان کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنے یہاں جدید سائنسی علوم کی تدریس کا اہتمام کریں، جدید ٹیکنالوجی کے حصول کیلئے کوشش تیز تر کردیں اور اپنے وسائل کا بہترین استعمال کرنے کیلئے دوسرے پر انحصار ختم کرنے اور خودکفالت کی منزل حاصل کرنے کی فکر کریں، اس کے بغیر وہ دنیا میں عزت اور وقار کی زندگی بسر کرسکیں گے اس میں انکی سلامتی اور بقاء کا راز مضمر ہے۔

ایٹمی دھماکہ پر محسن پاکستان

ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو خراج عقیدت

مولانا حافظ محمد ابراہیم فانی صاحب

مل گیا تجھ کو صلہ اس جہد صبح وشام کا — سارا عالم معترف تیرے عظیم اس کام کا
تو ہے غیرت کی نشانی تو عزمت کا علم — امتیازی طرہ ہے تو ملت اسلام کا
اہل ایمان کیلئے سوغات رب ترا وجود — شکریہ کیسے ادا ہو رب کے اس انعام کا
تیری عظمت کو دعائیں ڈاکٹر عبدالقدیر — سر کیا تو نے بلند ہر خاص کا ہر عام کا
عالم اسلام کا سرمایہ صد افتخار — چار سو چرچا ہے اب دنیا میں تیرے نام کا
تیرے علم وفن کو اور تیری شہامت کو سلام — حوصلہ بڑھا دیا ہے عالم اسلام کا
ملت کفریہ میں تم نے مچادی کھلبلی، — دیکھ یہ اترا ہوا چہرہ بھی "انکل سام" کا
ایٹمی قوت بنی ارض وطن تیرے طفیل — ہم نے یہ لمحہ بھی دیکھا گردش ایام کا
تجربہ کیوقت یہ باران رحمت ہے دلیل — اس خوشی میں حصہ بھی ہے چرخ نیلی فام کا
اہل ایماں تابکے ہوں تختہ مشق ستم — تاکجا ہوں ہم نشانہ کفر کے آلام کا
ہند کو تو نے دیا دنداں شکن ایسا جواب — کیا ہو اب رد عمل تیرے اسی پیغام کا
خاک میں دفنا دیا اب واجپائی کا گھمنڈ — کھل گیا ہے اب بھرم اس کے خیال خام کا
اب کف افسوس ملتا ہے بخوناب جگر — کر رہا ہے اب تماشا حسرت ناکام کا
ہند کی اب پشت پر ہیں یہ نصاریٰ و یہود — تاکہ ہوجائے بلند "مورال" گنگارام کا
کفر پر لرزہ ہے طاری یہ بم اسلام ہے — ہے محافظ اب یہ فانی دین کے احرام کا

جناب سیف اللہ خالد صاحب

اراکان اور برما میں مسلمانوں کی حالت زار

برما (میانمار) جنوبی ایشیا کا ایک اہم ملک ہے۔ اس کی آبادی چار کروڑ کے لگ بھگ ہے، جس میں آدھی (اکثریت) برمن نسل اور باقی مختلف نسلوں اور قبیلوں پر مشتمل ہے۔ مذہبی لحاظ سے برمن بودھ مت کے پیرو ہیں۔ دوسرا بڑا مذہب برما میں اسلام ہے جسکے ماننے والے کم و بیش پورے ملک میں پائے جاتے ہیں، مگر شمال مغربی سرحدی ریاست "اراکان" میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ ان کے علاوہ ملک میں عیسائی، ہندو اور لامذہب یا مظاہر پرست وحشی قبائل بھی موجود ہیں۔ تیرہویں صدی عیسوی میں برما پر منگولوں نے قبضہ کرلیا تھا، پھر اس پر شان خاندان کا تسلط ہوا۔ ان سب کا تعلق چین سے تھا۔ سولہویں صدی عیسوی تک برما پر ان کی حکومت رہی۔ انگریزوں نے برما کو بتدریج تین جنگوں کے نتیجے میں فتح کیا تھا جو ۱۸۲۴ء سے شروع ہوئیں۔ ۱۸۸۴ء تک برما مکمل طور پر برطانوی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس وقت تک انگریز برصغیر پر بھی پورے قابض ہوچکے تھے اور ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو کچلنے کے بعد اب کوئی طاقت ان کے اقتدار کو چیلنج کرنے والی باقی نہ رہی تھی۔ انگریزوں نے برما کو ہندوستان کا حصہ بنادیا تھا۔ وائسرائے ہند برما پر بھی حکومت کرتا تھا، رنگون میں اس کا ایک نمائندہ ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ ۱۹۳۷ء میں برما کو انتظامی طور پر ہندوستان سے الگ کردیے جانے تک جاری رہا۔ اور جب ۱۹۴۷ء میں انگریز ہندوستان سے جانے پر مجبور ہوگئے تو ۴ جنوری ۱۹۴۸ء کو انہوں نے برما کو بھی آزادی دے دی۔ برما میں مسلمانوں کی آمد اسی دور میں شروع ہوگئی تھی جب وہ تجارت کی غرض سے عرب سے ہندوستان اور چین میں پہنچے۔ اس طرح کچھ عرب تجار برما میں بھی وارد ہوگئے تھے۔ برما میں بسنے والے سارے مسلمان عربی النسل نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق ترکوں، افغانوں، پشتونوں اور ایرانیوں سے بھی ہے علاوہ ازیں ہندوستان سے بھی ہزاروں مسلمان کاروبار اور ملازمت کےلئے برما میں وارد ہوئے۔ نصف صدی تک برما ہندوستان کا ایک انتظامی صوبہ رہا ہے، اس لئے ہندوستان اور برما میں آمدورفت میں کوئی رکاوٹ حائل نہ تھی۔ رنگون، مانڈلے اور دیگر تمام شہروں میں برصغیر کے ہر صوبے اور علاقے کے مسلمانوں کی اکثریت یا قابل لحاظ آبادی رہی ہے۔ قصبات اور دیہات میں

قدیم برمی مسلمان یا مخلوط النسل مسلمان جابجا بڑی تعداد میں بکھرے ہوئے تھے ۔ انگریزوں سے ملک کی آزادی کی تحریک میں مسلمان ہمیشہ صف اول میں اور جان ومال کی قربانی میں بھی وہ سب سے آگے رہے ۔

آزادی ملی تو اس کی نعمتوں میں برمن بودھ اکثریت نے اپنے ہم وطن مسلمانوں کی شراکت کو گوارا نہ کیا ۔ ان کے اخراج کی مہم سرکاری اور عوامی سطح پر شروع کردی گئی ۔ قتل عام ، جلاؤ گھیراؤ اور مارو اور بھگاؤ کے منظم منصوبوں پر عمل ہونے لگا جس کے نتیجے میں برصغیر کے مسلمان تو جہاں سے آئے تھے بیشتر واپس چلے گئے ، مگر وہ قدیم عربی ، ایرانی اور ترکی نسل مسلمانوں کی باقیات کہاں جاتیں ؟ جو صدیوں سے اسی سرزمین میں رہتی اور بستی چلی آرہی ہیں ؟ اس طرح مخلوط النسل یا خالص برمی مسلمانوں کے لئے بھی دنیا میں کہیں اور جائے پناہ نہیں ۔ لہٰذا ان سے مطالبہ کیا جانے لگا کہ : " اگر تم کو اس ملک میں رہنا ہے تو اپنا مخصوص مذہب اور کلچر ترک کرکے اکثریتی دھارے میں شریک ہونا پڑے گا ۔ اپنے عربی نام بدل کر برمی نام رکھنے ہوں گے ۔ عورتوں کا پردہ ختم کرنا ہوگا اور یہ دن رات میں پانچ مرتبہ عبادت کے نام پر مسجد میں جمع ہونے اور قیمتی وقت کو ضائع کرنے کی عادت ختم کرنی ہوگی ۔ ملک کو اقتصادی ترقی کی ضرورت ہے جس کے لئے ہفتہ میں ایک دن ہماری طرح کچھ دیر کی عبادت کافی ہے ۔" اسی طرح حج پر یہ کہکر پابندی لگادی گئی کہ اس سے ملک کا قیمتی زرمبادلہ ضائع ہوجاتا ہے ۔ چنانچہ یہ عالمی ریکارڈ ہے اور سعودی وزارت حج نے ۱۹۶۲ء تا ۱۹۸۲ء بیس سال تک ہرسال موسم حج کے بعد یہ اعلان کیا ہے کہ " برما سے ایک بھی مسلمان حج کرنے نہیں آیا" ۔ اب گذشتہ چند برسوں سے گنتی کے مخصوص افراد کو سفرحج کی اجازت مل رہی ہے وہ بھی اس شرط اور غرض کے ساتھ کہ جانے والے حج کے عالمی اجتماع میں دوسرے مسلمانوں" کو یہ باور کرائیں گے کہ " برما میں مسلمانوں کو ہرطرح کی معاشی ومذہبی آزادی حاصل ہے " سب وہاں چین کی بانسری بجا رہے ہیں اور امن اور خوشحالی کے سمندر میں غوطے لگا رہے ہیں ۔" ان دوررس منظم اور مؤثر اقدامات اور منصوبہ بند عمل کے نتیجے میں برما کو خاطرخواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے ۔ آزادی کے بعد برما میں مسلمانوں کی پہلی نسل عبداللہ عرف " کھن مونگ " بنی ...... دوسری نسل " چھن مونگ عرف " عبداللہ " ہوئی اور اب عرف سے بھی محروم ہوکر صرف " کھن مونگ " چھن مونگ رہ گئی ہے ، جسے نہ اپنے دین کا پتہ ہے اور نہ اپنی تاریخ اور اجداد کی خبر ۔ یوں برما میں مسلمان نام کو بھی باقی رہنے نہیں دیے گئے "

اراکان کا مسئلہ البتہ باقی برما سے مختلف ہے۔ اس کی مثال "کشمیر" کی ہے۔ تاریخی، تہذیبی اور جغرافیائی ہر لحاظ سے یہ ایک الگ خطہ ہے۔ برما کے ساتھ اراکان کا کوئی زمینی اتصال نہیں ہے۔ اراکان یوما نامی مشہور و بلند سلسلہ کوہ دونوں کے مابین حد فاصل ہے۔ اراکان سابق مشرقی پاکستان (اب بنگلہ دیش) سے متصل بیس ہزار مربع میل کا ایک ایسا خطہ ہے جس پر انگریزوں نے ۱۸۲۴ء میں قبضہ کیا تھا۔ یہ ایک مسلم سلطنت تھی۔ تقسیم کے طے شدہ اصول کے تحت اسے یا تو پاکستان کا حصہ بننا چاہئیے تھا یا پھر الگ ریاست انگریز اپنی مشہور حکمت عملی "لڑاؤ اور حکومت کرو" (DIVIDE AND RULE) جاتے جاتے بھی دکھا گئے اور اراکان کو برما کے حوالے کر گئے۔ سوشلزم کے نام سے بدنام زمانہ تشدد دیک جماعتی فوجی حکومت تو برما میں بہت بعد میں جنرل نے ون ۱۹۶۲ء میں لے کر آیا تھا۔ مگر اراکان تو نام نہاد آزادی کے روز اول سے مسلمانوں کے لئے ایک ایسا محبس اور مقتل بن گیا ہے کہ جس کی دیواریں کسی کو نظر تو نہیں آتی ہیں، مگر کوئی فرد بشر باہر سے اندر اور اندر سے باہر اپنی مرضی سے آسکتا ہے نہ جاسکتا ہے۔ گویا اہل ارکان کو......

تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے گھٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے

رنگون میں حکومت سیاستدانوں کی ہو یا فوج کی یا ملی جلی، مسئلہ اراکان پر سب یک زبان اور متفق الرائے ہیں۔ اور وہ ہے "اراکان کے مسلمانوں کا ہر قیمت پر صفایا اور خاتمہ" اس مقصد کے حصول کیلئے گوناں گوں، مختصر اور طویل المعیاد منصوبے بنائے جاتے ہیں اور نہایت صبر، حکمت اور استقلال کے ساتھ عمل درآمد کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے تمام ممکنہ وسائل اور ہمہ پہلو ذرائع بروئے کار لائے جاتے ہیں۔ حسب ضرورت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق مسلمانان اراکان کا چھوٹے یا بڑے پیمانے پر قتل عام کیا جاتا ہے۔ ان پر تعلیم گاہوں کے دروازے بند ہیں، بلامعاوضہ جبری بیگار اور مشقت ان سے لی جاتی ہے۔ طبی سہولت نام کی کوئی چیز ان کیلئے نہیں ہے، مسلم بستیوں میں مصنوعی وبا اور بیماریاں پھیلائی جاتی ہیں۔ تھوڑے تھوڑے پھر کبھی واپس نہ آنے کی شرط پر مسلمانوں کے لئے غیر قانونی اخراج اور ترک وطن کے لئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے مگر باب الداخلہ نہایت سختی کے ساتھ بند ہے جو ایک بار نکل گیا سو نکل گیا، واپسی کی صورت کوئی نہیں ہے۔ ایسی ہر کوشش کا انجام صرف موت ہے۔ یوں گذشتہ پچاس برسوں میں تقریباً بیس لاکھ مسلمانوں سے نجات حاصل کی جاچکی ہے۔ یہ محض اندازہ ہے۔ مستند اعداد و شمار دستیاب نہیں۔ تاہم ان سب حربوں اور کوششوں کے باوجود اتنے ہی مسلمان تاحال اراکان میں باقی رہ گئے ہیں۔ ہر چند سال

کے بعد برمی حکومت کا پیمانہ صبر لبریز ہوجاتا ہے تو وہ مسلمانوں کے خلاف فوجی کاروائی شروع کردیتی ہے...... قتل عام، انہدام اور آتش زنی پر مبنی اقدامات کے سبب دو، دو، تین، تین لاکھ مسلمان بیک وقت جلاوطنی پر مجبور ہوجاتے ہیں، مگر جائیں تو جائیں کہاں؟ اپنے پڑوسی مسلم ملک بنگلہ دیش میں جاکر پناہ لیتے ہیں۔ وہاں ان پر جو کچھ گزرتی ہے اور جو سلوک ہوتا ہے اس سے ایک دنیا واقف ہے اور اس کا بیان ہمارے آج کے موضوع سے خارج ہے۔ مختصراً یہ کہ ان پناہ گزینوں کے بارے میں بنگلہ دیشی عوام اور حکومت کا تبصرہ ہوتا ہے کہ "یہ غیر ملکی گھس پیٹھیے زیادہ کمانے اور عیش کرنے کیلئے اپنے وطن کو چھوڑ کر ہماری اس جنت ارضی میں آگئے ہیں اور ہمیں میسر نعمت خداوندی میں زبردستی حصہ بٹانا چاہتے ہیں"۔ ان پناہ گزینوں کے خلاف ان کے بنگلہ دیشی مسلمان بھائی مظاہرے کرتے ہیں، جلوس نکالتے ہیں، جلسے کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ جلد سے جلد ان کو واپس بھگایا جائے۔ بہت سی سیاسی اور دینی جماعتیں اسے ایک انتخابی ایشو بھی بنالیتی ہیں اور برسراقتدار آتے ہی ان پناہ گزینوں سے چھٹکارا دلانے کے وعدے پر عوام کے ووٹ حاصل کرتی ہیں۔ اس دوران میں بنگلہ دیش کے قانون نافذ کرنے والے ادارے اور عوام بھی اپنے پناہ گزین اور اراکانی مسلمان بھائیوں کی وقتاً فوقتاً مناسب خاطر تواضع میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ ٹھیک ٹھاک خبر لیتے ہیں۔ برمی حکومت کا دعویٰ اس کے برعکس ہوتا ہے کہ "یہ سب ننگے بھوکے بنگلہ دیشی ہیں جو غربت وافلاس سے مجبور ہوکر چوری چھپے اراکان میں آگھستے ہیں اور یہاں بہنے والی دودھ اور شہد کی نہروں کو آلودہ کرنا چاہتے ہیں۔ روک تھام پر یہ لوگ خود چلے جاتے ہیں ورنہ ہم انہیں باعزت طریقے سے واپس کردیتے ہیں"۔ اقوام متحدہ، یو این ایچ سی آر، ایمنسٹی اور اسی طرح کی بین الاقوامی تنظیمیں اور حقوق انسانی کے ادارے کبھی تو برما کی مذمت کرتے ہیں اور کبھی بنگلہ دیش کے غیرانسانی رویے اور غیر ہمدردانہ اقدامات پر اظہار افسوس کرتے ہیں۔ یہ مسئلہ اصل میں ہے کیا؟ اس پر کسی کی توجہ ہے اور نہ اس کے مستقل حل سے کسی کو کوئی دلچسپی ہے۔ کوئی ان پناہ گزینوں سے نہیں پوچھتا ہے کہ:

(۱) وہ کون ہیں؟ (۲) کہاں سے آئے ہیں؟ (۳) کیا تکلیف ہے؟ (۴) کیا چاہتے ہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانان اراکان کو گذشتہ نصف صدی کے عرصے میں برما نے اس قابل رہنے ہی نہیں دیا ہے کہ وہ اپنا کیس مدلل طریقے سے علمی انداز میں کسی بین الاقوامی فورم میں پیش بھی کرسکیں۔ پے درپے سانحات اور انقلابات نے ان کو خوداعتمادی، عزت نفس، قومی تشخص اور خودداری کے احساس سے کلیتاً عاری اور بیگانہ کردیا ہے۔ ان میں جہالت اور ناخواندگی عام ہے،

اپنے انسانی حقوق کا بھی کوئی شعور نہیں ہے۔ ان کے دکھ درد اور مسئلہ کی ترجمانی کرنے والا کوئی نہیں رہا۔ جو باصلاحیت تھے انہیں برما نے ختم کردیا یا پھر میزبان پناہ دہندہ ملک میں آنے کے بعد اس کی انتظامیہ نے ایسے لوگوں کا مؤثر علاج شروع کیا تو وہ ادھر ادھر چھپ گئے، منتشر اور غائب ہوگئے۔ بنگلہ دیش کے اپنے مفادات، مسائل اور اپنی مشکلات اور ترجیحات ہیں۔ اسے کسی درجہ میں بھی مسلمانان اراکان کی حالت زار سے کوئی ہمدردی اور ان کے وجود اور بقاء کے مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حق تو یہ ہے کہ پناہ گزینوں کی آمد میں بھی اس کے لئے کوئی خسارہ نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی امداد کا ایک اہم ذریعہ اور بہت سے بنگلہ دیشی باشندوں کی بے روزگاری کا علاج ہے کبھی کبھار کا واویلا تو محض " نرخ بالاکن کہ ارزانی ہنوز ! " کے لئے ہوتا ہے۔ اسی طرح سیاسی، دینی، فلاحی جماعتوں کا بھی انیس بیس کے فرق کے ساتھ یہی حال ہے۔ مسلمانان اراکان کی داستان قریب الختم نظر آتی ہے۔ ان کی تحریک مزاحمت یا مسلح جہاد کی بھی دنیا میں کسی ملک اور قوم نے تائید اور حمایت نہیں کی، نہ خفیہ نہ علانیہ۔ پچاس سے زیادہ آزاد مسلم ملکوں کے حکمرانوں نے لاتعلقی اور چپ سادھ کر بالواسطہ بری استبداد کو تقویت پہنچائی ہے۔ اس دور میں ایک حکومت اور فوج کے ساتھ نہتے انسان کب تک مقابلہ جاری رکھ سکتے ہیں؟ افسوس ہمسایہ مسلم ملک سے تعاون تو دور کی بات ہے، الٹا........ مجاہدین کے پاس کہیں کوئی ٹھکانہ اور جائے قرار نہیں ہے، دونوں طرف سے ان کے خلاف کاروائی کی جاتی ہے۔ اسکے باوجود انہوں نے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں۔ اراکان کے پہاڑوں اور جنگلوں میں سربکف بے سروسامان مصروف جہاد ہیں اور بے مثل قربانیاں دے رہے ہیں۔ بلاشبہ وہ قابل مبارکباد ہیں، مگر کب تک؟۔ تاریخ میں بہت سی قوموں کا ذکر ملتا ہے جو اب کہیں نہیں پائی جاتیں، مٹ گئیں اور ختم ہوگئیں۔ اگر دنیا نے اور بالخصوص آزادی کی نعمتوں سے ہمکنار امت مسلمہ اور اسکے حکمرانوں نے لاتعلقی اور چشم پوشی کی یہ پالیسی برقرار رکھی تو فرق صرف اتنا ہوگا کہ اس بدقسمت قوم کا تاریخ میں بھی کوئی تذکرہ نہ ہوگا۔ بیرون اراکان مسلمان وقت کے ساتھ ساتھ منتشر ہوکر بکھر جائیں گے اور اندرون اراکان باقی ماندہ مسلمان منظم نسل کشی سے جو بچ جائیں گے وہ تہذیبی ارتداد کا شکار ہوکر رفتہ رفتہ بودھ مذہب اور ثقافت میں رنگ جائیں گے۔ بالکل بری مسلمانوں کی طرح (اللہ نہ کرے) اراکان میں بھی اندلس اور اسپین کی تاریخ دوہرائی جائے گی۔ حالات وواقعات اور شواہد وآثار کی روشنی میں یہ ہمارا خیال ہے مگر قضاوقدر کے فیصلے تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور مستقبل میں کیا کچھ ظہور میں آنے والا ہے یہ وہی بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہ صرف مسلمانان اراکان کی بلکہ پورے عالم اسلام کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)۔

قرب الٰہیٰ کے دو راستے ــ اور "قرب بالفرائض" کی فضیلت

المرسل: عبد الماجد، لیکچرار گورنمنٹ کالج مانسہرہ۔

مولانا منظور احمد نعمانیؒ کی ایک چشم کشا تحریر "قرب الٰہیٰ کے دوراستے" سے ایک اقتباس

اہل ایمان کیلئے تقرب الی اللہ اور دینی وروحانی ترقی کے دو طریقے اور دو ور راستے ہیں۔ ایک طریقہ تو یہ ہے کہ آدمی اپنی ہی اصلاح وترقی اور اپنے ہی نفس کے تزکیہ وجلیہ میں زیادہ سے زیادہ ساعی رہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی اور معصیات ومکروہات سے اپنے نفس کی حفاظت کا بیش از بیش اہتمام کرتے ہوئے جس قدر بھی ممکن ہو نفلی عبادات وقربات روزہ و نماز اور ذکر وفکر وغیرہ میں زیادہ سے زیادہ مشغول رہے۔ بعض ائمہ محققین کی اصلاح کے مطابق اس طریقہ کو "قرب بالدوافل" کہا جاسکتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ فرائض وواجبات میں گنجائش کے مطابق نفلی عبادات وقربات اور ذکروفکر میں بھی خاص اشغال رکھتے ہوئے اپنا زیادہ وقت اخلاص نیت کے ساتھ (یعنی محض رضاء الٰہیٰ اور اجراخروی کو مطمع نظر بناکر) دوسرے بندگان خدا کی اصلاح وہدایت، تعلیم و تربیت اور تبلیغ ونصیحت جیسے کاموں میں اور اعلاء کلمہ الحق واحیاء شریعت کی کوششوں میں صرف کیا جائے۔ اس طریقہ کو "قرب بالفرائض" سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور اگرچہ اسلام کے قرون اولیٰ میں سالکین راہ رضا اور طالبین قرب مولیٰ کےلئے یہی عام شاہراہ تھی، لیکن بعد کے زمانوں میں کچھ خاص اسباب کی وجہ سے اس راہ پر چلنے والوں کی کثرت نہیں رہی بلکہ معاملہ معکوس ہوگیا۔

"..... "قرب بالفرائض" کا یہ راستہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے خواص اصحاب وحوارئین کا راستہ ہے۔ اور اس کے مشاغل (تعلیم وتعلم، دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد اور اقامت دین واحیاء شریعت کی کوشش وغیرہ) ان حضرات کے خاص مشاغل ہیں۔ پس اس طریق کو اختیار کرنے والے اور ان کاموں کو سنبھالنے والے بلاشبہ تمام حضرات انبیاء علیہم السلام کے اور خصوصاً حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دینی خلفاء ہیں۔ اگرچہ سیاسی نظام اور سیاسی طاقت والی خلافت ظاہرہ ان کے پاس نہیں ہے۔ لیکن اصل امانت نبوی کی حفاظت اور تبلیغ ودعوت اور ماننے والوں کی تعلیم وتربیت اور اصلاح وارشاد کا کام بھی بلاشبہ ایک طرح کی خلافت نبوت ہی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ مقصدی اہمیت اسکو زیادہ حاصل ہے اور بروجہ احسن اور وسیع پیمانہ پر انہی مقاصد کی تکمیل کےلئے "خلافت ظاہرہ" مقصود ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی حقیقت ہے کہ یہی غیر سیاسی خلافت (حضرت شاہ ولی اللہ کی اصطلاح کے مطابق خلافت باطنہ) اگر ایک مرکز اور نظام کے ساتھ ہو تو "خلافت ظاہرہ" تک بھی پہنچا دیتی ہے۔ "استخلاف فی الارض" اور "تمکین دینی" کا انعام فرائض اور انہی خدمات کی انجام دہی پر مرتب ہوتا ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور یہی اسکی سنت ازلیہ ہے بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاسکتا ہے کہ "خلافت نبوت" کے قیام کا صحیح راستہ صرف یہی ہے اور اس طریقہ اور اس ترتیب کو چھوڑ کر دوسرے طریقوں پر جدوجہد کرنے اگرچہ "اپنی حکومت قائم کی جاسکتی ہے لیکن خلافت نبوت قائم نہیں ہوسکتی......"

The First Name in Bicycles, brings ANOTHER FIRST

SOHRAB VIP SPORTS

Sohrab, the leading national bicycle makers now introduce the last word in style, in elegance, in comfort... absolutely the last word in bicycles.

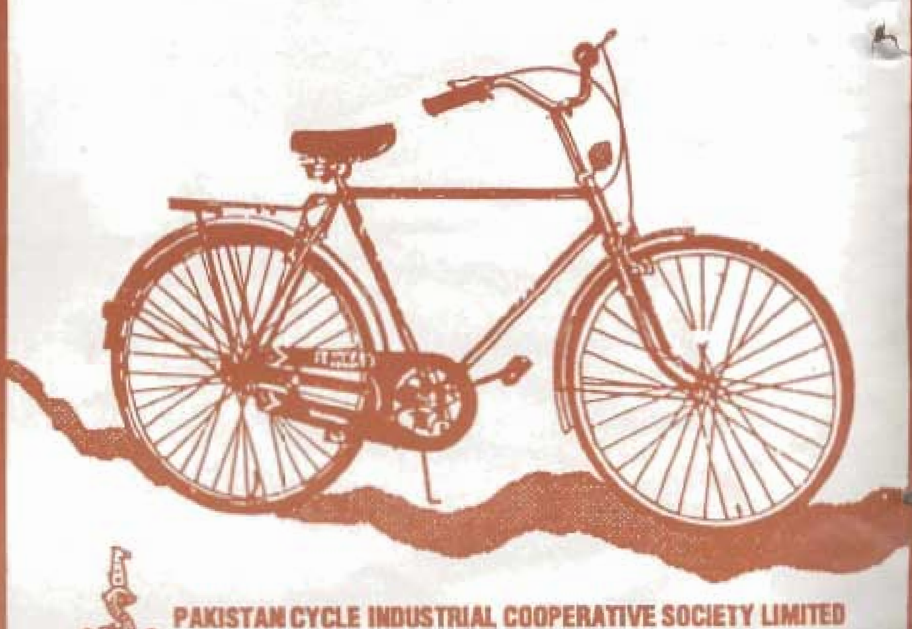

PAKISTAN CYCLE INDUSTRIAL COOPERATIVE SOCIETY LIMITED

National House, 47 Shahrah-e-Quaid-e-Azam, Lahore, Pakistan.

Tel: 7321028-8 (3 lines), Telex: 44742 CYCLE PK. Fax: 7235143. Cable: BIKE

Regd.No.P - 90 Monthly "AL-HAQ" Akora Khattak

Adarts-HRA-11/96